خواتین کے مسائل

The e-Book of Ahlesunnat Network

مصنف

علامہ سیّد شاہ تراب الحق قادری

باب اول : عقائد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الکریم

سوال: اللہ تعالیٰ، انبیاء کرام، سیدُ الانبیاءﷺ، ملائکہ، آسمانی کتب اور آخرت کے متعلق بنیادی عقائد بیان فرمایئے۔
جواب: ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور سیدنا محمد مصطفٰےﷺ کی رسالت کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کیا جائے اور تمام ضروریاتِ دین کی تصدیق کی جائے۔
دینِ اسلام کی کسی مشہور و معلوم بات کا انکار کرنا یا اس میں شک کرنا یا کسی شرعی حکم کا مذاق اڑانا یا کسی سنت کو ہلکا جاننا یا مذاق میں کوئی کفریہ جملہ بولنا کفر ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ ایمان کی حفاظت اور شریعت کی پیروی دین کا علم حاصل کیے بغیر ممکن نہیں اسی لیے آقا و مولیٰﷺ نے فرمایا، "علمِ دین سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے"۔ (مُسندِ امامِ اعظم)
اب اختصار کے ساتھ سوال میں مذکور بنیادی عقائد تحریر کیے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان:
اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا خالق و مالک ہے۔ وہ ایک ہے، اسکا کوئی شریک نہیں، وہی عبادت کے لائق ہے، نہ تو وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی اسکے کوئی اولاد ہے، اسے کسی نے پیدا نہیں کیا، وہ خود اپنے آپ سے موجود ہے اور اسی نے سب کو پیدا کیا ہے، وہ خود بھی اور اسکی صفات بھی ازلی و ابدی ہیں یعنی وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔
اللہ تعالیٰ بے نیاز اور غنی ہے۔ وہ جسے چاھے زندگی دے جسے چاھے موت دے، جسے چاھے عزت دے اور جسے چاھے ذلیل کرے، وہ کسی کا محتاج نہیں سب اسکے محتاج ہیں، وہ جو چاھے اور جیسا چاھے کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا، وہ ہر ظاہر اور پوشیدہ چیز کو جانتا ہے۔ اسکے علم کی کوئی انتہا نہیں، وہ سب کچھ ازل سے جانتا ہے، جیسا ہونے والا تھا اور جو جیسا کرنے والا تھا وہ اس نے لکھ لیا۔ یوں سمجھ لیجیے کہ جیسا ہم اپنے ارادے اور اختیار سے کرنے والے تھے ویسا اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا یعنی اسکے لکھ دینے نے کسی کو مجبور نہیں کر دیا ورنہ جزا و سزا کا فلسفہ بے معنی ہو کر رہ جاتا، یہی عقیدہء تقدیر ہے۔
اللہ تعالیٰ کے ہر فعل میں کثیر حکمتیں ہوتی ہیں خواہ ہماری سمجھ میں آئیں یا نہیں۔ وہ جس کا رزق چاھے وسیع فرماتا ہے اور جس کا رزق چاھے تنگ کر دیتا ہے، ایسا کرنے میں اسکی بیشمار حکمتیں ہیں، کبھی وہ رزق کی تنگی سے آزماتا ہے اور کبھی رزق کی کثرت سے۔ وہ استطاعت سے زیادہ کسی کو آزمائش میں نہیں ڈالتا اور یہ اسکا فضل و کرم ہے کہ مسلمانوں کو تکالیف پر بھی اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ اچھے کام کو خدا کے فضل و کرم کی طرف منسوب کرنا چاہیے اور برے کاموں کو شامتِ نفس سمجھنا چاہیے۔
اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اسکی شان کے مطابق ہیں، وہ دیکھنے کے لیے آنکھ، سننے کے لیے کان اور ارادہ کرنے کے لیے ذہن کا محتاج نہیں کیونکہ وہ جسم سے پاک ہے۔ وہ ہر شے پر قادر ہے مگر ہر عیب اسکے لیے محال و ناممکن ہے کیونکہ وہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے۔

نبوت و رسالت پر ایمان:
اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے لوگوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا۔ سب انبیاء کرام علیہم السلام مرد تھے، نہ کوئی جن نبی ہوا اور نہ کوئی عورت۔ انبیاء کرام وہ اعلیٰ شان والے بشر ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی اور انہیں معجزات عطا فرمائے۔ جس طرح ہمیں اپنی اختیاری حرکات پر قدرت ہوتی ہے اسی طرح انبیاء کرام کے معجزات انکے اختیار میں ہوتے ہیں۔
انبیاء کرام پیدائشی نبی ہوتے ہیں البتہ نبوت کا اعلان وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرتے ہیں۔ یہ ایسی کامل عقل والے ہوتے ہیں کہ دوسروں کی عقل انکی عقل کے کروڑویں حصے تک نہیں پہنچ سکتی۔ انبیاء کرام کو اپنی مثل بشر سمجھنا گمراہی ہے قرآن کریم میں یہ کافروں کا طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ نبیوں کو محض اپنی مثل بشر جانتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نفوسِ قدسیہ بشری شکل و صورت ہی میں دنیا میں جلوہ گر ہوتے ہیں لیکن انکے جسمانی و روحانی کمالات درجہء کمال پر ہوتے ہیں، انکی سماعت

وبصارت اور طاقت وقدرت عام انسانوں سے نہایت اعلیٰ وارفع ہوتی ہے، اس پر قرآن وحدیث گواہ ہیں۔
انبیاء کرام گناہوں اور خطاؤں سے معصوم ہوتے ہیں اعلانِ نبوت سے قبل بھی اور بعد بھی ان سے گناہ ہونا شرعاً ناممکن ہے۔ قرآنِ حکیم میں انبیاء کرام کے بارے میں جن امور کا ذکر ہے انکی حقیقت گناہ نہیں، وہ یا تو نسیان ہیں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا گندم کا دانہ کھالینا اور یا وہ لغزش ہیں جیسے حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق بیان ہوا۔
انبیاء علیہم السلام کے حق میں بھول اور لغزش دونوں جائز ہیں لیکن سیدّ الانبیا ﷺ کے حق میں یہ دونوں جائز نہیں کیونکہ آپ کا مرتبہ تمام انبیاء کرام سے بلند وبالا ہے۔

انبیاء کرام کی تعداد مقرر کرنا جائز نہیں بس یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ سب
انبیاء پر ہمارا ایمان ہے جن کی تعداد کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار بیان کی جاتی ہے۔ انبیاء کرام تمام مخلوق سے افضل ہیں اور ان میں بعض کو بعض پر
فضیلت حاصل ہے۔ جس نبی پر کتاب نازل ہوا سے رسول کہتے ہیں۔ سب نبیوں اور رسولوں میں ہمارے آقا ﷺ سب سے افضل اور آخری نبی ہیں۔ آپکے بعد نہ کوئی نبی ہوا اور نہ ہوگا، ختمِ نبوت کا منکر کافر ہے۔
انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اپنے مزارات میں اسی طرح حقیقی طور پر زندہ ہیں جیسے پہلے دنیا میں تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ان پر ایک آن کے لیے موت طاری ہوئی اور پھر وہ زندہ کردیے گئے، وہ کھاتے پیتے ہیں، جہاں چاہتے ہیں آتے جاتے ہیں اور تصرف فرماتے ہیں۔
آقا ومولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، "بیشک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کردیا، پس اللہ کے نبی زندہ ہیں اور رزق دیے جاتے ہیں"۔ (ابن ماجہ)
تمام انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب عطا فرمایا اور اپنے حبیب ﷺ کو مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن یعنی کائنات میں جو کچھ ہوچکا اور جو آئندہ ہوگا، ان سب کا علم عطا فرمایا۔ یہ قرآن اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ جن آیات میں علم غیب کی نفی کی گئی ہے ان سے مراد اس علم کی نفی ہے جو ذاتی یعنی بغیر خدا کے بتائے ہو۔ اللہ تعالیٰ کی عطا سے انبیاء کرام کے لیے علم غیب ماننا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ مطلق علمِ غیب کا منکر کافر ہے کہ سرے
سے نبوت ہی کا منکر ہے۔ اولیاء عظام کو بھی انبیاء کرام کے وسیلے سے علمِ غیب عطائی حاصل ہوتا ہے۔
سب انبیاء کرام کی تعظیم فرض ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، "اے لوگو! تم اللہ اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو"۔ (الفتح: ۹، کنزالایمان)
ثابت ہوا کہ ایمان مقدم ہے یعنی ایمان کے بغیر تعظیم وتوقیر قبول نہ ہوگی اور حضور ﷺ کی تعظیم کے بغیر عبادات بیکار ہونگی۔ جو شخص نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرے یا آپکے لیے عیب بتائے یا نقص تلاش کرے یا وہ عوارضِ بشری جو آپ کے لیے جائز تھے انکی وجہ سے آپکی تحقیر کرے یا آپ کی شان گھٹانے کی کوشش کرے، وہ کافر ہے اور جو اسکے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔
محبوبِ خدا ﷺ کی محبت ایمان کی جان اور نجات کا ذریعہ ہے۔ آقا ومولیٰ ﷺ کا فرمان ہے، "تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اسکے والد، اسکی اولاد اور سب انسانوں سے زیادہ پیارا نہ ہوجاؤں"۔ (بخاری، مسلم) آپ نے اپنے ایک محبت کرنے والے صحابی کو خوشخبری دی، اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ "تم جن سے محبت کرتے ہو، قیامت میں انہی کے ساتھ ہوگے"۔ (بخاری) دوسری حدیث میں ارشاد ہوا، اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ "جو جس سے محبت کرتا ہے قیامت میں اسی کے ساتھ ہوگا"۔ (بخاری، مسلم)
جس طرح روح اپنے بدن کے ہر جزو میں موجود ہوتی ہے اسی طرح روحِ مصطفیٰ ﷺ کی حقیقت کائنات کیہر ذرے میں جاری وساری ہے (اشعۃ اللمعات) جس کی بنا پر جانِ کائنات ﷺ تمام کائنات کو اپنی ہتھیلی مبارک کی طرح ملاحظہ فرماتے ہیں (طبرانی)، دور ونزدیک کی آوازیں یکساں سنتے ہیں، اپنی امت کے اعمال، احوال اور انکی دلی کیفیات بھی جانتے ہیں۔ (مواہب الدنیہ، تفسیر عزیزی) نیز اپنی روحانیت ونورانیت کے ساتھ بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہوسکتے ہیں، حضور ﷺ کے حاضر وناظر ہونے کا یہی مفہوم ہے۔
مالکِ کُل ختم الرسل ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب اور نائبِ مطلق ہیں۔ رب تعالیٰ کی دی ہوئی طاقت سے تمام جہان آقا ومولیٰ ﷺ کا محکوم اور تابع فرمان ہے۔ آپ کو شریعت کا مالک ومختار بنایا گیا، جس پر جو چاہیں حلال فرمائیں اور جو چاہیں حرام فرمائیں۔ آپ کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے جو آپ کے حکم سے راضی نہ ہوا، گویا وہ رسالت کا منکر ہے۔

سرکارِ دوعالم نورِ مجسم ﷺ سب مخلوق سے افضل واعلیٰ ہیں، جس کو جو بھی اوصاف وکمالات دیے گئے وہ سب حضور ﷺ کو عطا فرمائے گئے بلکہ آپ کو ایسے کمالات بھی عطا فرمائے گئے جو کسی کو نہیں دیے گئے۔ حقیت یہ ہے کہ جس کو جو بھی ملا ہے وہ آپ ﷺ ہی کے طفیل بلکہ آپ کے دستِ اقدس سے ملا ہے۔
حضور ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، "بیشک میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرمانے والا ہے"۔ (بخاری، مسلم)

کثیر احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان بارگاہِ نبوی میں مشکل کشائی کے لیے فریاد کرتے، آپ کو قضائے حاجات کے لیے وسیلہ بناتے اور آپ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے قدرت واختیار سے انکی حاجت روائی اور مشکل کشائی فرماتے۔ اس موضوع پر فقیر کی کتاب ''ضیاء الحدیث'' کے پہلے باب میں متعدد احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

آقائے دوجہاں ﷺ کو جو خصائص اور کمالات عطا فرمائے گئے، اُس بحرِ بیکراں میں سے قرآن کریم کی روشنی میں دوسو (۲۰۰) خصائص اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں بھی دوسو (۲۰۰) خصائص، فقیر نے اپنی کتاب ''جمالِ مصطفیٰ ﷺ'' میں تحریر کیے ہیں، اہلِ ذوق ومحبت اس ایمان افروز کتاب کا ضرور مطالعہ فرمائیں۔

فرشتوں پر ایمان:

فرشتے نور سے پیدا کیے گئے، وہ نہ مرد ہیں نہ عورت۔ وہ مومن، متقی

اور عبادت گزار ہیں۔ فرشتے کھانے پینے سے پاک اور ہر قسم کی خطا وگناہ سے معصوم ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت دی ہے کہ جو شکل چاہیں اختیار کرسکتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ قوت عطا فرمائی ہے اور بہت سے کام انکے سپرد کیے ہیں۔

کسی کے ذمہ جان نکالنا، کسی کے ذمہ بارش برسانا، کسی کے ذمہ رزق دینا، کسی کے ذمہ انسانی جسم میں تصرف کرنا، کسی کے ذمہ نامہ اعمال لکھنا، کسی کے ذمہ بارگاہِ رسالت میں حاضری، کسی کے ذمہ مجالسِ ذکر میں شرکت وغیرہ بیشمار کام ملائکہ انجام دیتے ہیں۔

چار فرشتے سب ملائکہ میں افضل ہیں۔ حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور حضرت عزرائیل علیہم السلام۔

کسی فرشتے کے ساتھ ادنیٰ سی گستاخی کفر ہے۔ جاہل لوگ اپنے کسی دشمن یا سختی کرنے والے کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ ملک الموت یا عزرائیل آگیا، یہ کہنا کفر کے قریب ہے۔

فرشتوں کے وجود کا انکار کرنا یا یہ کہنا کہ فرشتہ نیکی کی قوت کو کہتے ہیں، یہ نظریات کفر ہیں۔

آسمانی کتب پر ایمان:

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت، حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اور بعض نبیوں پر صحیفے نازل فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں نازل فرمائیں سب حق ہیں البتہ وہ اب اصل حالت میں موجود نہیں ہیں، پچھلی امتوں نے ان میں تحریف کردی اور احکامِ الٰہی کو تبدیل کردیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بے مثل رسول ﷺ پر بے مثل وبے مثال کتاب قرآن کریم نازل فرمائی اور اسکی حفاظت اپنے ذمہ لی۔

سب جن اور انسان مل کر کوشش کریں تب بھی اس میں ایک حرف کی کمی بیشی نہیں ہوسکتی اور نہ ہی اسکی مثل کوئی آیت بنائی جاسکتی ہے۔ یہ ایک عظیم معجزہ ہے۔ جو یہ کہے کہ قرآن کریم میں کسی نے کچھ گھٹادیا، یا بڑھادیا، یا اصلی قرآن غائب امام کے پاس ہے وہ کافر ہے۔ یہی اصل قرآن ہے اور اس پر ایمان لانا ہر شخص پر لازم ہے۔

آخرت پر ایمان:

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر شخص کی زندگی مقرر ہے، نہ اسمیں کمی ہوسکتی ہے اور نہ زیادتی۔ جب زندگی کا وقت پورا ہوجاتا ہے تو حضرت عزرائیل علیہ السلام روح قبض کرلیتے ہیں اس کا نام موت ہے۔ قبر میں عذاب یا نعمتیں ملنا حق ہے اور یہ روح وجسم دونوں کے لیے ہے، اسلیے موت کے بعد بھی روحوں کا تعلق جسم سے قائم رہتا ہے۔ جو انکی قبر پر آئے وہ اسے دیکھتے، پہچانتے اور اسکا کلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔

اگر جسم جل جائے یا گل جائے یا خاک ہوجائے پھر بھی اسکے اجزائے اصلیہ قیامت تک باقی رہتے ہیں اور ان اجزا اور روح کا باہمی تعلق ہمیشہ قائم رہتا ہے اور یہ دونوں عذاب وثواب سے آگاہ ومتاثر ہوتے ہیں۔

بیشک ایک دن زمین وآسمان، جن وانسان، فرشتے اور دیگر تمام مخلوق فنا ہوجائے گی اس کا نام قیامت ہے، اسکا واقع ہونا حق ہے اور اسکا منکر کافر ہے۔

دنیا میں جو روح جس جسم کے ساتھ تھی اسکا حشر اسی جسم میں ہوگا، اللہ تعالیٰ اس جسم کے تمام اجزا کو جمع فرما کر قیامت میں پھر زندہ کرے گا اور سب کے اعمال کا حساب ہوگا۔

مسلمان ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور کافر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

آقا ومولیٰ ﷺ کی شفاعت کئی قسم کی ہے:-

شافع محشر ﷺ کی شفاعتِ کبریٰ سے تمام اہلِ محشر کو حساب کتاب کے انتظار سے نجات ملے گی۔ آپکی شفاعت سے بہت سے لوگ بلاحساب جنت میں داخل ہونگے، بہت سے مستحقِ جہنم، جہنم میں جانے سے بچ

جائیں گے، بہت سے جہنم سے نکال لیے جائیں گے، بہت سے اہلِ جنت کے درجات بلند کیے جائیں گے۔

شفاعت کا منکر گمراہ اور بدمذہب ہے۔ حضور ﷺ کے بعد سب انبیاء کرام اپنی امتوں کی شفاعت فرمائیں گے پھر اولیاء کرام، شہداء، علماءِ حق، حفاظ، حجاج اور ہر دینی منصب

پر فائز مسلمان اپنے اپنے متعلقین کی شفاعت کریں گے یہاں تک کہ فوت شدہ نابالغ بچے اپنے ماں باپ کی شفاعت کریں گے۔

اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کی تفصیل جاننے کے لیے صدرُ الشریعہ حضرت علامہ مولانا امجد علی اعظمی قادری رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم الشان تصنیف ''بہار شریعت'' یا فقیر کی کتاب ''اسلامی عقائد'' ملاحظہ فرمائیں۔

☆محبوبانِ خدا سے استعانت☆

سوال: کیا محبوبانِ خدا سے انکے وصال کے بعد مدد مانگنا جائز ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: استعانت کی دو قسمیں ہیں؛ حقیقی اور مجازی۔ حقیقی استعانت یہ ہے کہ کسی کو قادر بالذات، مالک مستقل اور حقیقی مددگار سمجھ کر اس سے

ہے کہ کسی کو قادر بالذات، مالک مستقل اور حقیقی مددگار سمجھ کر اس سے مدد مانگی جائے یعنی اسکے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کے بغیر خود اپنی ذات سے مدد کرنے کی قدرت رکھتا ہے، غیر خدا کے لیے ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اور کوئی مسلمان بھی انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام کے متعلق ایسا عقیدہ نہیں رکھتا۔

مجازی استعانت یہ ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر، حصولِ فیض کا ذریعہ اور قضائے حاجات کا وسیلہ جان کر اس سے مدد مانگی جائے اور یہ قطعاً حق ہے اور قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

قرآن کریم سے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی کو مددگار بنانے کی دعا کی جو قبول ہوئی۔ (طٰہٰ:۳۶)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے مدد مانگی۔ (الصف:۱۴)

ایمان والوں کو صبر اور نماز سے مدد مانگنے کا حکم دیا گیا۔ (البقرہ:۱۵۳)

حضرت ذوالقرنین نے لوگوں سے مدد مانگی۔ (الکہف:۹۵)

نیک کاموں میں مسلمانوں کو مددگار بننے کا حکم دیا گیا۔ (المائدہ:۲)

ایک مقام پر صالحین اور فرشتوں کا مددگار ہونا یوں بیان فرمایا گیا،

”بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل اور نیک ایمان والے، اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں“۔ (التحریم:۴)

ایک جگہ اللہ تعالیٰ، حضور ﷺ اور صالحین کا مددگار ہونا یوں بیان ہوا،

”بیشک تمہارے مددگار تو صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں“۔ (المائدہ:۵۵)

ان دلائل و براہین سے ثابت ہوا کہ حقیقی مددگار و مشکل کشا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسکی عطا سے اسکے محبوب بندے بھی مددگار ہوتے ہیں۔

جب ہم آقا و مولیٰ ﷺ یا کسی صحابی (رضی اللہ عنہ) یا کسی ولی اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) سے مدد مانگتے ہیں تو ہمارا یہ اعتقاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مدد کرنے کی قدرت عطا فرمائی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت اور اسکی مرضی سے ہماری مدد کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو یہ ہماری مدد نہیں کر سکتے۔ پس محبوبانِ خدا کو مددگار و متصرف سمجھنا اور ان سے مدد مانگنا ہرگز شرک نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا مددگار و مشکل کشا ہونا بالذات اور مخلوق سے بے نیاز و غنی ہو کر ہے جبکہ انبیاء کرام، اولیاء عظام اور مومنوں کا مددگار و مشکل کشا ہونا اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے محتاج ہیں نیز انکا تصرف و اختیار اور انکی طاقت و قدرت اذنِ الٰہی کے تابع ہے۔

امام المحدثین شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہمارے نزدیک اولیاء اللہ سے انکے وصال کے بعد مدد مانگنے کا مفہوم یہ ہے کہ دعا مانگنے والا اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے اور اس مقرب بندے کو وسیلہ بناتا ہے اور یوں عرض کرتا ہے، اے اللہ! اپنے اس نیک بندے کی برکت سے جس پر تو نے لطف و کرم فرمایا ہے، میری حاجت کو پورا فرما کیونکہ تو ہی عطا فرمانے والا اور کریم ہے۔ یا حاجت منداس مقرب بندے کو پکارتا ہے کہ اے اللہ کے نیک بندے اور اسکے ولی! میری شفاعت کرو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میری حاجت پوری ہو جائے۔

اگر یہ معنی شرک ہے جیسا کہ منکر گمان کرتا ہے تو پھر چاہیے کہ اولیاء سے انکی ظاہری زندگی میں بھی توسل اور دعا کی درخواست کرنا منع ہو جبکہ یہ بالاتفاق مستحب و مستحسن اور دین میں رائج ہے۔ ارواحِ کاملین سے مدد مانگنے اور فائدہ حاصل کرنے کے بارے میں اہلِ کشف سے جو واقعات مروی ہیں وہ گنتی سے باہر ہیں، انکے رسائل و کتب میں مذکور اور مشہور ہیں، یہاں انکے ذکر کی ضرورت نہیں۔ شاید متعصب منکر کے لیے ان کے کلمات مفید بھی نہ ہوں، خدا ہمیں اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔ ہم نے اس جگہ طویل کلام منکروں کی ناک خاک آلود کرنے کے لیے کیا ہے کیونکہ ہمارے زمانے میں چند لوگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جو اُن اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کے منکر ہیں جو بعد وصال اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں اور رزق پاتے ہیں لیکن ان لوگوں کو انکی زندگی اور خوشحالی کا شعور نہیں ہے۔ یہ لوگ اولیاء اللہ کی طرف توجہ کرنے والوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتے ہیں اور جو منہ میں آئے بک دیتے ہیں۔

(اشعۃ اللمعات جلد سوم ص ۴۰۱، فتاویٰ عزیزیہ جلد دوم ص ۱۰۸)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کا وصال ۱۰۵۲ھ میں ہوا، اس سے ثابت ہوا کہ ایک ہزار سال تک امتِ مسلمہ میں محبوبانِ خدا سے مدد مانگنے اور انکا وسیلہ اختیار کرنے کے منکر پیدا نہیں ہوئے تھے، یہ بری بدعت گیارھویں صدی ہجری میں شروع ہوئی۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہٗ ”برکاتُ الامداد لِاھلِ الاستمداد“ میں فرماتے ہیں،

”اس استعانت ہی کو دیکھیے کہ جس معنی پر غیر خدا سے شرک ہے یعنی قادر بالذات و مالک مستقل جان کر مدد مانگنا، ان معنوں میں ہی اگر بیماری کے علاج میں طبیب یا دوا سے استمداد کرے یا فقیری کی حاجت میں امیر یا بادشاہ کے پاس جائے یا انصاف کرانے کو کسی کچہری میں مقدمہ لڑائے بلکہ کسی سے روزمرہ کے معمولی کاموں میں مدد لے جو یقیناً تمام وہابی حضرات روزانہ اپنی عورتوں، بچوں، نوکروں سے کرتے کراتے رہتے ہیں مثلاً یہ کہنا کہ فلاں چیز اٹھا دے یا کھانا پکا دے، سب قطعی شرک ہے جب کہ یہ

جاناکہ کہ اس کام کے کر دینے پر خود انہیں اپنی ذات سے بے عطائے الٰہی قدرت ہے تو صریح کفر و شرک میں کیا شبہ رہا؟ اور جس معنی پر ان سب سے استعانت شرک نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد کا مظہر، واسطہ، وسیلہ اور سبب جان کر؛ تو انہی معنوں میں انبیاء کرام و اولیاء عظام سے مدد مانگنا شرک کیونکر ہوگا؟''

اس اعتراض کے جواب میں کہ زندوں سے مدد مانگنا جائز اور بعد وصال مدد مانگنا ناجائز ہے، اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں،

''جو شرک ہے وہ جس کے ساتھ کیا جائے گا شرک ہوگا اور اگر ایک کے لیے شرک نہیں تو وہ کسی کے لیے شرک نہیں ہو سکتا۔ کیا اللہ کے شریک مردے نہیں ہو سکتے زندے ہو سکتے ہیں؟ دور کے نہیں ہو سکتے پاس کے ہو سکتے ہیں؟ انبیاء نہیں ہو سکتے حکیم ہو سکتے ہیں؟ انسان نہیں ہو سکتے فرشتے ہو سکتے ہیں؟ حاشا للہ! اللہ عزوجل کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا''۔ (برکاتُ الامداد لاھلِ الاستمداد)

حق و انصاف کی راہ پر چلنے والوں کے لیے انشاء اللہ یہ دلائل بھی کافی ہونگے۔ اس موضوع پر تفصیلی اور مدلل گفتگو فقیر کی کتاب ''تصوف و طریقت'' کے باب نہم میں ملاحظہ فرمائیں۔

باب دوم : ارکانِ اسلام

☆نماز کی اہمیت اور عورتوں کی نماز☆

سوال: قرآن و حدیث کی روشنی میں نماز کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمایئے نیز عورتوں کی نماز کن معاملات میں مردوں سے مختلف ہے؟

جواب: ایمان اور عقائد کی درستگی کے بعد تمام فرائض میں سب سے اہم فریضہ نماز ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوا، "اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو"۔ (البقرہ: ۴۳، کنز الایمان)

دوسری جگہ فرمایا، "نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز (عصر) کی"۔ (البقرہ: ۲۳۸، کنز الایمان)

ایک جگہ بے نمازیوں کے لیے یوں وعید فرمائی گئی، "تو ان کے بعد انکی جگہ وہ ناخلف آئے جنھوں نے نمازیں گنوائیں (یعنی ضائع کیں) اور اپنی خواہشوں کے پیچھے ہوئے تو عنقریب وہ دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے"۔ (مریم: ۵۹، کنز الایمان)

غی دوزخ کے نچلے حصے میں ایک کنواں ہے جس میں اہل دوزخ کی پیپ گرتی ہے ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ جہنم کی سب سے زیادہ گرم اور گہری وادی ہے اور اسمیں ایک کنواں ہے جب جہنم کی آگ بجھنے پر آتی ہے تو اللہ عزوجل اس کنوئیں کو کھول دیتا ہے جس سے وہ بدستور بھڑکنے لگتی ہے۔ یہ کنواں بے نمازیوں، زانیوں، شرابیوں، سود خوروں اور والدین کو ایذا دینے والوں کے لیے ہے۔

صدر الشریعہ علامہ مولانا امجد علی اعظمی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں،

نماز کو مطلقاً چھوڑ دینا تو سخت ہولناک بات ہے نماز قضا کرنے والوں کے لیے رب تعالیٰ فرماتا ہے، خرابی ہے ان نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں، وقت گذار کر پڑھنے اٹھتے ہیں۔ (الماعون: ۴) جہنم میں ایک وادی ہے جس کی سختی سے جہنم بھی پناہ مانگتا ہے اسکا نام ویل ہے قصداً نماز قضا کرنے والے اسکے مستحق ہیں۔ (بہار شریعت حصہ سوم)

آقا و مولیٰ ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان سے فرمایا، اگر کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اسکے بدن پر کچھ میل باقی رہے گا؟ عرض کی، بالکل نہیں۔ ارشاد فرمایا، یہی مثال پانچ نمازوں کی ہے کہ انکی برکت سے اللہ تعالیٰ سب گناہ مٹا دیتا ہے۔ (بخاری، مسلم) یہاں گناہ سے مراد صغیرہ گناہ ہیں کبیرہ گناہ سچی توبہ سے اور حقوق العباد ادا کرنے سے معاف ہوتے ہیں۔

آقائے دو جہاں ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، بندے اور کفر کے درمیان فرق نماز چھوڑنا ہے۔ (مسلم) دوسری جگہ فرمایا، نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے قائم رکھا اس نے دین کو قائم رکھا جس نے اسے چھوڑ دیا اس نے دین کو ڈھا دیا۔ (بہار شریعت)

ایک حدیث پاک میں پابندی سے سب نمازیں خشوع و خضوع سے ادا کرنے والوں کو مغفرت کی خوشخبری دی گئی۔ (ابوداؤد)

ان آیات کریمہ و احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان بالغ مرد و عورت پر پانچوں وقت نماز کی پابندی لازم ہے نیز تمام حقوق و آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے خشوع و خضوع سے نماز ادا کرنی چاہیے۔

نماز کی ایک اہم شرط طہارت ہے۔ بعض خواتین نیل پالش لگاتی ہیں جس کے باعث انکا وضو نہیں ہو پاتا یونہی غسل یا تیمم کرنے سے بھی انہیں پاکی حاصل نہیں ہو سکتی کیونکہ ناخنوں پر پالش کی تہہ جم جاتی ہے اسلیے نیل پالش دور کرنا اور ایسی چیزوں سے بچتے رہنا طہارت کے حصول کے لیے بیحد ضروری ہے البتہ مہندی کا رنگ جائز ہے۔

خواتین وضو یا غسل کے وقت اس بات کی احتیاط رکھیں کہ ہر عضو پر پانی بہہ جائے۔ لہٰذا انگوٹھی، چھلے، نتھ اور دیگر زیورات ہٹا کر انکی جگہ پانی پہنچانا اور تیمم کی صورت میں ہاتھ پھیرنا ضروری ہے۔

اب ہم عورتوں کی نماز سے متعلق خاص خاص باتیں تحریر کرتے ہیں:

☆ نماز سے قبل خواتین کو اس بات کا اطمینان کر لینا چاہیے کہ انکے چہرے، ہتھیلیوں اور پاؤں کے تلووں کے سوا تمام جسم دبیز کپڑے سے ڈھکا ہوا ہے۔ ایسا باریک کپڑا جس سے بدن کی رنگت جھلکتی ہو یا ایسا باریک دوپٹہ جس سے بالوں کی سیاہی چمکے ستر یعنی پردے کے لیے کافی نہ ہوگا ایسا لباس یا دوپٹہ وغیرہ پہن کر نماز پڑھی تو نماز نہ ہوگی۔ گردن، کان، سر کے لٹکتے ہوئے بال اور کلائیاں چھپانا بھی فرض ہے۔

☆ چہرے، ہتھیلیوں اور پاؤں کے تلووں کے سوا کوئی عضو نماز شروع کرتے وقت چوتھائی مقدار میں کھلا ہوا اور اسے چھپائے بغیر اللہ اکبر کہہ لیا تو نماز شروع ہی نہ ہوئی۔ اور اگر نماز کے دوران کوئی عضو چوتھائی کے برابر اتنی دیر کھلا رہا جس میں تین بار سبحان اللہ کہا جا سکے تو نماز نہ ہوئی۔

☆ خواتین نماز شروع کرتے وقت اپنے ہاتھ کانوں کی بجائے صرف کندھوں تک اٹھائیں اور انہیں دوپٹوں سے باہر نہ نکالیں۔

☆ پھر تکبیر تحریمہ کہہ کر بائیں ہتھیلی سینے پر رکھ کر اسکی پشت پر دائیں ہتھیلی رکھیں۔

☆ رکوع کرتے وقت صرف اتنا جھکیں کہ ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں، انگلیاں باہم ملی ہوئی ہوں اور گھٹنوں کو آگے کی طرف ذرا سا خم دے کر کھڑی رہیں، نیز انکے بازو پہلوؤں سے ملے ہوئے ہوں۔

☆ خواتین سجدہ سمٹ کر کریں یعنی پیٹ رانوں سے اور رانیں پنڈلیوں سے اور پنڈلیاں زمین سے اور بازو پہلوؤں سے ملا دیں اور کلائیاں زمین پر بچھا دیں نیز پاؤں کھڑے کرنے کی بجائے دائیں طرف نکال کر بچھا دیں۔

☆ قعدہ میں دونوں پاؤں دائیں جانب نکال دیں اور بائیں کولھے پر بیٹھیں۔

☆ خواتین کے لیے گھر کے اندر یعنی کمرے میں نماز پڑھنا صحن میں نماز پڑھنے سے اور تہہ خانے میں نماز پڑھنا کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ (ابوداؤد)

آقا و مولیٰ ﷺ کے زمانہ اقدس میں عورتوں کو باجماعت نماز کے لیے مساجد میں آنے کی اجازت تھی لیکن جب فتنہ ظاہر ہونے لگا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مساجد میں آنے سے منع فرما دیا۔ بعض خواتین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر شکایت کی کہ ہمیں مسجد آنے سے روک دیا گیا ہے، تو آپ نے ارشاد فرمایا،

اگر نبی کریم ﷺ ہمارے زمانے کی عورتوں کو ملاحظہ فرماتے تو آپ ﷺ بھی عورتوں کو مسجد جانے سے منع فرما دیتے جیسے بنی اسرائیل نے اپنی عورتوں کو منع کر دیا تھا۔ (بخاری، مسلم)

☆ اسی لیے فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا، خواتین کو کسی بھی باجماعت نماز کے لیے مسجد جانا منع ہے خواہ دن کی نماز ہو یا رات کی، جمعہ کی ہو یا عیدین کی، عورت چاہے جوان ہو یا بوڑھی۔

(بہار شریعت بحوالہ دُرِّ مختار، فتح القدیر، فتاویٰ رضویہ)

☆ حیض ونفاس اور استحاضہ کے مسائل ☆

سوال: حیض ونفاس اور استحاضہ میں کیا فرق ہے؟ ان کے بارے میں شرعی احکام اور ضروری مسائل بیان فرمائیے۔

جواب: ارشاد باری تعالیٰ ہے، "(اے محبوب ﷺ!) تم سے پوچھتے ہیں حیض کا حکم، تم فرماؤ وہ ناپاکی ہے تو عورتوں سے الگ رہو حیض کے دنوں میں، اور ان سے نزدیکی نہ کرو جب تک پاک نہ ہو لیں، پھر جب پاک ہو جائیں تو انکے پاس جاؤ جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا، بیشک اللہ پسند کرتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو"۔

(البقرہ: ۲۲۲، کنزالایمان از اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی)

حدیث شریف میں ہے کہ یہودیوں میں جب کسی عورت کو حیض آتا تو وہ اسے نہ اپنے ساتھ کھلاتے پلاتے اور نہ ہی اسے اپنے گھر میں رکھتے۔ صحابہ کرام نے اس بارے میں دریافت کیا تو مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، ایام حیض میں جماع کے سوا دیگر معاملات برقرار رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں حالت حیض میں پانی پیتی پھر وہ برتن حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتی تو آپ وہیں دہن اقدس رکھ کر پانی پیتے جس جگہ میرا منہ لگا تھا اور میں حیض کی حالت میں ہڈی سے گوشت نوچ کر کھاتی اور پھر حضور کو دے دیتی، آقا ﷺ میرے منہ لگانے کی جگہ اپنا دہن مبارک رکھ کر تناول فرماتے۔ (مسلم)

مذکورہ آیت و احادیث کریمہ کی روشنی میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ حیض ونفاس کی حالت میں جماع حرام ہے اور ناف سے گھٹنے تک عورت کے جسم کو اسکے شوہر کا چھونا بھی جائز نہیں جبکہ کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو البتہ ناف سے اوپر اور گھٹنوں سے نیچے کسی طرح کا نفع لینے میں کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری، بہار شریعت)

صدر الشریعہ فرماتے ہیں کہ بالغہ عورت کے بدن میں فطری طور پر ضرورت سے کچھ زائد خون پیدا ہوتا ہے تاکہ حمل کے دنوں میں وہ خون بچے کی غذا میں کام آئے اور بچے

کے دودھ پینے کے زمانے میں وہ دودھ بن جائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو حمل اور دودھ پلانے کے ایام میں عورت کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ حمل اور دودھ پلانے کے ابتدائی ایام میں خون نہیں آتا اور ان حالات کے علاوہ اگر یہ زائد خون حیض کی صورت میں بدن سے نہ نکلے تو عورت کو قسم قسم کی بیماریاں لاحق ہو جائیں۔

بالغہ عورت کے بدن سے کم از کم پندرہ دن پاکیزہ رہنے کے بعد جو خون عادت کے طور پر نکلتا ہے وہ حیض ہے، جو خون بچے کی پیدائش کے بعد آئے اسے نفاس کہتے ہیں اور جو خون بیماری کے باعث آئے وہ استحاضہ کہلاتا ہے۔ کم سے کم نو برس کی عمر سے حیض شروع ہوتا ہے اور حیض آنے کی انتہائی عمر پچپن سال ہے۔

☆ حیض کی مدت کم سے کم تین دن اور تین راتیں یعنی پورے بہتر (۷۲) گھنٹے ہے۔ اگر مدت اس سے کم ہو تو وہ حیض نہیں بلکہ استحاضہ ہے۔ حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن اور دس راتیں ہیں، اس مدت سے زیادہ خون آئے تو اگر یہ حیض پہلی بار ہے تو دس دن تک حیض ہے اور باقی دن استحاضہ۔ اور اگر پہلے بھی حیض آچکے ہیں اور عادت دس دن سے کم کی ہے تو عادت سے جتنا زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔

مثال کے طور پر کسی کی حیض کی عادت سات دن تھی اور اب بارہ دن خون آیا تو سات دن حیض کے ہوئے اور باقی پانچ استحاضہ کے۔ اور اگر کوئی عادت مقرر نہ تھی تو پچھلی بار جتنے دن حیض کے تھے وہی اب بھی مانے جائیں گے اور باقی استحاضہ ہوگا۔

☆ دو حیض کے درمیان اور اسی طرح حیض ونفاس کے درمیان بھی پندرہ دن کا وقفہ ضروری ہے۔ اگر نفاس ختم ہونے کے بعد پندرہ دن سے قبل خون آجائے تو وہ استحاضہ ہو گا، یونہی حمل والی عورت کو جو خون آئے وہ بھی استحاضہ ہوگا۔

☆ نفاس کی کم سے کم کوئی مدت مقرر نہیں اور اسکی انتہائی مدت چالیس دن رات ہے۔ بعض جگہ رواج ہے کہ خواتین چلہ پورا کیے بغیر نماز شروع نہیں کرتیں اگرچہ نفاس ختم ہو چکا ہو، یہ جہالت ہے۔ جیسے ہی نفاس ختم ہو اسی وقت غسل کر کے نماز شروع کر دیں اور اگر نہانے سے بیماری کا اندیشہ ہو تو تیمم کر کے نماز ادا کریں۔

☆ حیض ونفاس کی حالت میں قرآن پاک پڑھنا یا چھونا، مسجد میں جانا، طواف کرنا، سجدۂ تلاوت یا سجدۂ شکر کرنا حرام ہے۔ اگر جزدان میں قرآن کریم ہو تو اس جزدان کا چھونا جائز ہے۔ اس حالت میں قرآن کریم کے علاوہ تمام وظائف واذکار کلمہ شریف درود شریف وغیرہ پڑھنا کراہت کے بغیر جائز بلکہ مستحب ہے البتہ پڑھنے سے قبل کلی کرنا یا وضو کرنا بہتر ہے۔

☆ ان دنوں میں نمازیں معاف ہیں اور انکی قضا بھی نہیں البتہ ان ایام کے روزے دوسرے دنوں میں رکھنا فرض ہے۔ نمازوں کے اوقات میں وضو کر کے اتنی دیر تک درود شریف اور دوسرے اذکار پڑھنا مستحب ہے جتنی دیر میں نماز ادا ہوتی ہے تا کہ نمازوں کی عادت قائم رہے اور بیش بہا اجر وثواب بھی ملے۔

☆ استحاضہ میں نہ نماز معاف ہے اور نہ روزہ، اور صحبت بھی جائز ہے۔ اس حالت میں ہر نماز نئے وضو سے ادا کی جائے۔ استحاضہ والی عورت اگر غسل کر کے ظہر کی نماز آخر وقت میں اور وضو کر کے عصر کی نماز اول وقت میں اور پھر غسل کر کے مغرب کی نماز آخر وقت میں اور پھر وضو کر کے عشاء کی نماز اول وقت میں پڑھے اور فجر بھی غسل کر کے پڑھے تو بہتر ہے اور عجب نہیں کہ یہ ادب جو حدیث میں ارشاد ہوا ہے اسکی رعایت کی برکت سے اسکے مرض کو بھی فائدہ پہنچے۔

(بہار شریعت حصہ دوم صفحہ ۷۵)

☆ طہارت کے مسائل ☆

سوال: غسل اور تیمم کے متعلق کن باتوں کا جاننا زیادہ ضروری ہے؟ یہ بھی ارشاد فرمائیے کہ ناپاک کپڑوں کو کیسے پاک کیا جائے؟

جواب: آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، ''اس گھر میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے جہاں تصویر، کتا یا حالتِ جنابت میں کوئی شخص ہو''۔ (ابوداؤد) یعنی جس پر غسل واجب ہو، اسے پاکی حاصل کرنے کے لیے جلدی کرنی چاہیے۔ سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجیے کہ غسل یا وضو کیسے پانی سے کیا جائے۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ پانی بے رنگ، بے بو اور بے ذائقہ یعنی قدرتی حالت میں ہو نیز پانی استعمال شدہ نہ ہو۔ اگر بدن پر کوئی نجاست نہ لگی ہو تو جو پانی وضو یا غسل کرنے میں بدن سے گرے وہ پاک ہے مگر اس سے وضو یا غسل جائز نہیں۔ اسی طرح اگر بے وضو شخص کا ہاتھ یا انگلی یا ناخن یا بدن کا وہ حصہ جو دُھلا نہ ہو، یا جس پر غسل فرض ہے اسکے جسم کا بے دُھلا حصہ پانی میں پڑ جائے یا پانی سے چھو جائے تو وہ پانی مستعمل ہو گیا، اب اس سے وضو یا غسل نہیں ہو سکتا۔ اس کا پینا اور اس سے آٹا گوندھنا مکروہ ہے البتہ اسے کپڑے دھونے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

مستعمل پانی کو وضو یا غسل کے لیے استعمال کے قابل بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اچھا پانی اس سے زیادہ اس میں ملا دیں یا اس میں اتنا پانی ڈالیں کہ برتن کے کناروں سے بہنے لگے، اب اس پانی سے وضو یا غسل جائز ہے۔

غسل میں تین فرض ہیں:۔

۱۔ غرغرہ کرنا یعنی منہ بھر کر اس طرح کلی کرنا کہ ہونٹ سے حلق کی جڑ تک پانی پہنچ جائے۔

۲۔ ناک میں ہڈی تک پانی پہنچانا تا کہ دونوں نتھنوں میں ہڈی تک کوئی جگہ خشک نہ رہے۔

۳۔ سارے بدن پر اس طرح پانی بہانا کہ بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہے۔

اگر دانتوں میں گوشت کے ریشے وغیرہ پھنسے ہوں تو انہیں صاف کرنا ضروری ہے اسی طرح ناک میں میل جم گئی ہو تو اسے صاف کر کے پانی سخت ہڈی کے شروع تک پہنچانا بھی لازم ہے البتہ روزے کی حالت میں مبالغہ سے بچنا چاہیے۔

جسے وضو یا غسل کی حاجت ہو مگر اسے پانی استعمال کرنے پر قدرت نہ ہو اسے تیمم کرنا چاہیے۔ اس کی چند اہم صورتیں درج ذیل ہیں:

چاروں طرف ایک ایک میل تک پانی کا پتہ نہ ہو،

یا ایسی بیماری ہو کہ پانی کے باعث شدید بیمار ہونے یا دیر میں اچھا ہونے کا صحیح اندیشہ ہو خواہ یہ اس نے خود آزمایا ہو یا کسی مستند وقابل طبیب نے بتایا ہو،

یا اتنی سخت سردی ہو کہ نہانے سے مرجانے یا بیمار ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو اور لحاف وغیرہ کوئی ایسی چیز اسکے پاس نہ ہو جس سے نہانے کے بعد سردی سے بچ سکے،

یا ٹرین یا بس وغیرہ سے اتر کر پانی استعمال کرنے میں گاڑی چھوٹ جانے کا خدشہ ہو،

یا وضو، غسل کرنے کی صورت میں نماز عیدین نکل جانے کا گمان ہو۔

تیمم میں تین فرض ہیں۔

اول: نیت کرنا کہ یہ تیمّم وضو یا غسل یا دونوں کی پاکی کے لیے ہے،

دوم: سارے منہ پر اسطرح ہاتھ پھیرنا کہ بال برابر جگہ بھی باقی نہ رہے،

سوم: دونوں ہاتھوں کا کہنیوں سمیت مسح کرنا کہ کوئی حصہ باقی نہ رہے۔

تیمم کا طریقہ یہ ہے کہ نیت کر کے بسم اللہ پڑھ کر دونوں ہاتھ زمین کی جنس سے تعلق رکھنے والی کسی چیز (مثلاً مٹی، پتھر، ماربل یا ایسی چیز جس پر کافی گرد وغبار ہو) پر مارے اور دونوں ہاتھ سارے منہ پر پھیرلے کہ کوئی جگہ باقی نہ رہے پھر دوبارہ مٹی یا پتھر پر ہاتھ مارے اور پہلے دائیں ہاتھ کا اسطرح مسح کرے کہ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے علاوہ چار انگلیوں کا پیٹ دائیں ہاتھ کی پشت پر رکھے اور انگلیوں کے سرے سے کہنی تک لے جائے اور پھر وہاں سے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے دائیں ہاتھ کے پیٹ (یعنی اندرونی طرف) پر پھیرتے ہوئے گٹے تک لائے اور بائیں انگوٹھے کے پیٹ سے دائیں انگوٹھے کی پشت کا مسح کرے۔ اسی طرح دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کا مسح کرے۔

خواتین وضو، غسل اور تیمم کے لیے یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ انگوٹھی، چھلے، نتھ، چوڑیاں اور نیل پالش وغیرہ ہٹا کر یا اتار کر جلد کے ہر حصہ پر پانی پہنچانا یا ہاتھ پھیرنا ضروری ہے۔

بیماری میں اگر ٹھنڈا پانی نقصان کرتا ہے تو گرم پانی استعمال کرنا چاہیے اگر گرم پانی نہ ملے تو تیمم کیا جائے۔ یونہی اگر سر پر پانی ڈالنا نقصان کرتا ہے تو گلے سے نہائے اور گیلا ہاتھ پھیر کر پورے سر کا مسح کرے۔ اسی طرح اگر کسی عضو پر زخم کے باعث پٹی بندھی ہو یا پلاستر چڑھا ہو تو ہاتھ گیلا کر کے اس پٹی کے اوپر پھیر دیا جائے اور باقی جسم کو پانی سے دھویا جائے۔

اگر نماز کا وقت اتنا کم رہ گیا کہ وضو یا غسل کرنے کی صورت میں نماز قضا ہو جائے گی تو تیمم کر کے نماز پڑھ لینی چاہیے البتہ وضو یا غسل کر کے اس نماز کو دہرانا ضروری ہے۔

جس عذر کے باعث تیمم کیا گیا اگر وہ ختم ہو جائے، یا جن چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے ان سے وضو کا اور جن باتوں سے غسل واجب ہوتا ہے ان سے غسل کا تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔

ناپاک کپڑے پاک کرنے کے متعلق عرض ہے کہ انہیں اچھی طرح دھو کر پوری قوت سے نچوڑا جائے یہاںتک کہ مزید قوت لگانے پر کوئی قطرہ نہ ٹپکے۔ پھر ہاتھ دھو کر کپڑے دھوئیں اور انہیں اسی طرح پوری طاقت سے نچوڑیں، پھر تیسری بار ہاتھ دھوئیں اور کپڑے دھو کر انہیں پوری طاقت سے نچوڑیں کہ مزید نچوڑنے پر کوئی قطرہ نہ ٹپکے، اب کپڑے پاک ہو گئے۔ اگر کسی نے پوری قوت سے کپڑا نچوڑ لیا مگر کوئی دوسرا جو طاقت میں زیادہ ہے، اسے نچوڑے تو چند بوند پانی مزید ٹپک جائے گا تو کپڑا پہلے کے حق میں پاک اور اس دوسرے کے حق میں ناپاک ہے۔

اس مسئلے میں احتیاط کرنی چاہیے، ہر کوئی یا تو اپنا ناپاک کپڑا خود پاک کرے یا پھر انہیں بہتے پانی میں پاک کیا جائے۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ خواتین صابن یا واشنگ مشین سے کپڑے دھو کر انہیں کسی برتن میں ڈال دیں اور پھر اتنا پانی ڈالیں کہ کپڑے پانی میں مکمل ڈوب جائیں اور پانی برتن کے کناروں سے بہنے لگے، اب ان کپڑوں کو نکال لیں یہ پاک ہو گئے۔

ایسے نازک کپڑے جو نچوڑنے کے قابل نہیں ہیں اسی طرح چٹائی، قالین اور جوتا وغیرہ بھی اگر ناپاک ہو جائیں تو انہیں پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انہیں دھو کر لٹکا دیا جائے یہاںتک کہ ان سے پانی ٹپکنا بند ہو جائے۔ پھر دوبارہ دھو کر لٹکا دیں، جب پانی ٹپکنا بند ہو جائے پھر تیسری بار دھو کر سکھا لیں، یہ پاک ہو جائیں گے۔

☆روزہ کا مقصد اور اہم مسائل☆

سوال: روزوں کی فرضیت کا مقصد کیا ہے؟ روزہ کن باتوں سے ٹوٹ جاتا ہے اور کن باتوں سے مکروہ ہوتا ہے؟ چیدہ چیدہ مسائل بیان فرما دیجیے۔

جواب: ارشادِ باری تعالیٰ ہوا، ''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے''۔ (البقرۃ:۱۸۳، کنزالایمان)

معلوم ہوا کہ روزوں کی فرضیت کا مقصد تقوی اور پرہیزگاری کا حصول ہے جو کہ انسان کا مقصدِ حیات بھی ہے۔ انسان اس دنیا میں آ کر اسکی رنگینیوں میں کھو گیا اور اپنے مقصدِ حیات کو بھول کر کھانے پینے اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کو زندگی کا مقصود سمجھ بیٹھا، اسکی تمام کوششیں پیٹ بھرنے اور نفس پروری میں صرف ہونے لگیں۔ اس خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک ماہ کے روزے فرض کیے تا کہ انسان یہ جان لے کہ اسکی زندگی کا اصل مقصد کھانا پینا ہی نہیں بلکہ اصل مقصود تو تقویٰ ہے۔

جب روزے کی حالت میں بندہ، حلال کھانا پینا حکمِ الٰہی کی تعمیل میں ترک کر دیتا ہے تو روزہ زبانِ حال سے اسے یہ درس دیتا ہے، اے روزہ دار! جب تو نے حلال چیزیں اپنے رب کے حکم سے ترک کر دیں تو وہ چیزیں جنہیں تیرے رب نے ہمیشہ کے لیے حرام کر دیا، تُو انکے ارتکاب سے بھی باز رہنا۔ اس ضمن میں ایک اور بات قابلِ غور ہے وہ یہ کہ نماز بعض ارکان کے ادا کرنے کا نام ہے، زکوٰۃ کسی مستحق کو دینے سے ادا ہوتی ہے، حج طوافِ کعبہ اور دیگر مخصوص ارکان ادا کرنے کو کہتے ہیں مگر روزہ ایسی عبادت ہے جو کچھ نہ کرنے کا نام ہے اسی لیے سب عبادات دوسروں پر ظاہر ہو جاتی ہیں جبکہ روزہ بندے اور اسکے رب کے درمیان ایک راز رہتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی ریاکار چھپ کر کھاتا پیتا رہے اور لوگوں کے سامنے خود کو روزہ دار ظاہر کرے مگر روزہ دار ریاکاری کے لیے کھانا پینا نہیں چھوڑتا۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے فرمایا، ''روزہ میرے لیے

ہے اور میں ہی اسکا اجر دوں گا''۔ (بخاری)

روزوں کا مقصود تقویٰ ہے اور تقویٰ نیک کام کرنے اور برے کاموں سے بچنے کا نام ہے۔ اس لیے آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، ''جو روزے دار بری بات کہنا اور برے کام کرنا نہ چھوڑے، اللہ تعالیٰ کو اسکے بھوکے پیاسے رہنے کی کچھ پرواہ نہیں''۔ (بخاری)

مزید ارشاد ہوا، ''کئی روزے دار ایسے ہیں جن کا روزہ سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ نہیں اور بہت سے راتوں میں عبادت کرنے والے ایسے ہیں کہ انہیں جاگنے کے سوا کچھ حاصل نہیں''۔ (ابن ماجہ)

سرورِ کائنات ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے، ''روزہ محض کھانے پینے سے باز رہنے کا نام نہیں بلکہ روزہ کی اصل یہ ہے کہ لغو اور بیہودہ باتوں سے بچا جائے''۔ (حاکم)

روزہ کی حقیقت کے متعلق چند باتیں عرض کی گئیں اب فقہی مسائل ملاحظہ ہوں۔

☆ کھانے پینے یا جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جبکہ روزے دار ہونا یاد ہو۔

☆ دانتوں میں کوئی چیز چنے کے برابر یا زیادہ ہو، اسے نگل لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

☆ قصداً منہ بھر کے قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جبکہ روزہ دار ہونا یاد ہو۔

☆ آنسو یا پسینہ منہ چلا جائے اور اسکی نمکینی پورے منہ میں معلوم ہو تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

☆ اگر دانتوں سے خون نکلے اور اسکا ذائقہ حلق میں محسوس ہو تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

☆ کلی کرتے ہوئے پانی بلا ارادہ حلق سے نیچے اتر جائے یا ناک میں پانی چڑھاتے ہوئے دماغ تک پہنچ جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا بشرطیکہ روزہ دار ہونا یاد ہو۔

☆ آنکھ یا کان میں دوائی ڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ کان میں تیل ڈالنے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

☆ بھول کر کھانے پینے کے دوران روزہ دار ہونا یاد آ جائے اور منہ میں موجود شے نگل لی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

☆ اگر کھانے پینے کے دوران سحری کا وقت ختم ہو جائے تو نوالہ اگل دینا چاہیے اسے نگل لینے سے روزہ نہیں ہوگا۔

☆ جھوٹ، غیبت، چغلی، گالی، بیہودہ گفتگو یا کسی کو تکلیف دینے سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ سحری کھانے میں تاخیر کرنا مستحب ہے مگر اتنی تاخیر مکروہ ہے کہ صبح ہونے کا شک ہو جائے۔ اسی طرح افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے مگر احتیاط ضروری ہے۔

☆ روزے میں بار بار تھوکنا، منہ میں تھوک اکٹھا کر کے نگل لینا اور کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے میں مبالغہ کرنا بھی مکروہ ہے۔ یوں ہی استنجا کرنے میں مبالغہ کرنا بھی مکروہ ہے یعنی روزے دار کو استنجا کرنے میں نیچے کو زور نہیں دینا چاہیے۔

☆ روزہ دار کو بلا عذر کسی چیز کا چکھنا مکروہ ہے عذر یہ ہے کہ شوہر یا آقا بد مزاج ہو اور نمک وغیرہ کی کمی بیشی پر ناراض ہوتا ہو۔ چکھنے کا مفہوم یہ ہے کہ زبان پر رکھ کر ذائقہ محسوس کریں اور اسے تھوک دیں، اس میں سے حلق میں کچھ نہ جانے پائے ورنہ روزہ ٹوٹ جائے گا۔

☆ بھول کر کھانے پینے یا جماع کرنے سے، بے اختیار قے آ جانے سے خواہ تھوڑی ہو یا زیادہ، کان میں پانی چلے جانے سے یا احتلام ہونے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح مکھی، دھواں یا گرد حلق میں چلی جائے تو بھی روازہ نہیں ٹوٹتا۔

☆ روزے میں تیل یا سرمہ لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگرچہ تیل یا سرمہ کا مزا حلق میں محسوس ہوتا ہو۔ اگر ایسی کسی صورت میں یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ گیا، اس بنا پر قصداً کھایا پیا تو اس روزے کی قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔

☆ روزے کے لیے عورت کا حیض ونفاس سے پاک ہونا شرط ہے۔ اگر حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو اپنی یا بچے کی جان کا صحیح اندیشہ ہو تو اسے اجازت ہے کہ اسوقت روزے نہ رکھے خواہ دودھ پلانے والی بچے کی ماں ہو یا دائی۔ وہ بعد میں روزے رکھ لے۔

☆ عورت حیض سے پورے دس دن رات میں فارغ ہوئی تو بہرحال اگلے دن کا روزہ رکھے اور دس سے کم دنوں میں پاک ہوئی تو اگر صبح ہونے میں اتنا وقت ہے کہ نہا کر معمولی سا وقت بچے گا تو روزہ رکھے اگرچہ غسل نہ کیا ہو اور اگر نہا کر فارغ ہونے کے وقت صبح ہو گئی تو روزہ نہیں۔

☆ حیض ونفاس والی عورت پاک ہو گئی تو اسے باقی دن روزے کی مثل گزارنا واجب ہے اور اس دن کی قضا فرض ہے۔ حیض ونفاس والی عورت کو اختیار ہے کہ چھپ کر کھائے یا ظاہراً لیکن چھپ کر کھانا بہتر ہے۔

☆ اگر جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا تو اس کا کفارہ لازم ہے۔ کفارہ یہ ہے کہ لگاتار ساٹھ روزے رکھے جائیں۔ اگر کسی دن ناغہ ہو جائے تو پھر سے ساٹھ کی گنتی پوری کرنی ہوگی، البتہ عورت کو اگر حیض آ جائے تو اسکی وجہ سے رہ جانے والے دن، ناغے شمار نہیں ہونگے یعنی حیض سے پہلے اور بعد والے دن مل کر ساٹھ کی گنتی پوری ہونے پر کفارہ ادا ہو جائے گا۔

☆ اگر روزے رکھنے پر قدرت نہ ہو یعنی کوئی بیمار ہے اور اچھے ہونے کی کوئی امید نہیں یا زیادہ بڑھاپے کے باعث روزے رکھنا ممکن نہیں تو ساٹھ مساکین کو پیٹ بھر کر دونوں وقت کھانا کھلانے سے کفارہ ادا ہوگا۔ یا پھر ہر مسکین کو صدقہء فطر کے برابر رقم دے دی جائے۔

(بہارِ شریعت، حصہ پنجم)

☆زکوٰۃ کی اہمیت اور مسائل☆

سوال: زکوٰۃ کی اہمیت قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیجیے نیز اس ضمن میں ضروری مسائل بھی بیان فرمائیے۔

جواب: ارشادِ باری تعالیٰ ہوا، ''اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی، اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی۔ جس دن وہ تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں پھر اس سے داغیں گے انکی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں، (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لیے جوڑ کر رکھا تھا، اب چکھو مزا اس جوڑنے کا''۔

(التوبۃ: ۳۴، ۳۵، کنزالایمان از اعلیٰ حضرت محدث بریلوی)

قرآن کریم میں بیشمار مرتبہ زکوٰۃ دینے کا حکم دیا گیا۔ سورہ مومنون کی چوتھی آیت میں فلاح پانے والوں کا یہ وصف بیان ہوا کہ وہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ سورہ بقرہ کی تیسری آیت میں متقین کی صفت یہ بتائی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سے اسکی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ایک اور مقام پر فرمایا گیا،

''اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے، رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے (یعنی غلام آزاد کرانے) میں، اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے''۔ (البقرۃ: ۱۷۷)

یہ اسلام کا نہایت اہم رکن ہے۔ بکثرت احادیث میں اسے ادا کرنے کی تاکید اور نہ دینے پر وعید وارد ہوئی، چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے،

جسے اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اسکی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو قیامت کے دن وہ مال ایک گنجے سانپ کی صورت میں لایا جائے گا اور اسکے گلے میں طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا۔ وہ سانپ اسکی باچھیں پکڑ کر کہے گا، میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں۔ پھر حضور ﷺ نے سورہ آل عمران کی آیت تلاوت فرمائی جسکا ترجمہ یہ ہے، ''جو لوگ بخل کرتے ہیں اسکے ساتھ جو اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا، وہ یہ گمان نہ کریں کہ انکے لیے بہتر ہے بلکہ یہ انکے لیے برا ہے، اس چیز کا قیامت کے دن انکے گلے میں طوق ڈالا جائے گا جس کے ساتھ بخل کیا''۔ (بخاری)

غیب بتانے والے آقا ﷺ نے فرمایا، ''خشکی اور تری میں جو مال برباد ہوتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دینے کے باعث برباد ہوتا ہے''۔ دوسری روایت میں ارشاد ہوا، ''جو قوم زکوٰۃ نہ دے اللہ تعالیٰ اسے قحط میں مبتلا فرمادیتا ہے''۔ (طبرانی)

سرکار دوعالم نورِ مجسم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ''تم زکوٰۃ دے کر اپنے مال کو مضبوط قلعوں میں محفوظ کرلو اور اپنے بیماروں کا علاج صدقے سے کرو اور بلا نازل ہونے پر گریہ وزاری سے دعا کے ذریعے مدد چاہو''۔ (ابوداؤد، طبرانی، بیہقی)

زکوٰۃ فرض ہے اس کا منکر کافر ہے، اور اس کا نہ دینے والا فاسق اور قتل کا مستحق ہے، اور اسے ادا کرنے میں تاخیر کرنے والا گنہگار اور مردودُ الشہادۃ ہے۔

زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے چند شرطیں ہیں: ۱۔ مسلمان ہونا، ۲۔ بالغ ہونا، ۳۔ عاقل ہونا، ۴۔ آزاد ہونا، ۵۔ مالکِ نصاب ہونا، ۶۔ پورے طور پر مالک ہونا، ۷۔ نصاب کا قرض سے فارغ ہونا، ۸۔ نصاب کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا، ۹۔ مال کا نامی ہونا، ۱۰۔ سال گزرنا۔

☆ جو دَین (قرض) میعادی ہو وہ زکوٰۃ سے نہیں روکتا۔ چونکہ عادۃً مہر کی رقم کا مطالبہ نہیں ہوتا اسلیے شوہر کے ذمہ کتنا ہی مہر کیوں نہ ہو، اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر کسی پر قرض ہو اور وہ قرض ادا کرنے کے بعد مالکِ نصاب نہیں رہتا تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔

☆ جو مال حاجتِ اصلیہ کے علاوہ ہو اور نصاب کے برابر ہو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ زندگی بسر کرنے کے لیے جس چیز کی ضرورت ہو وہ حاجتِ اصلیہ ہے اس پر زکوٰۃ نہیں۔ جیسے رہنے کا مکان، سردی گرمی میں پہننے کے کپڑے، خانہ داری کے سامان، سواری کے جانور (گاڑی)، خدمت کے لیے لونڈی غلام، جنگ کے آلات، پیشہ وروں کے اوزار، اہلِ علم کے لیے ضرورت کی کتابیں، کھانے کے لیے اناج وغلہ۔

☆ زکوٰۃ کا نصاب ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باوَن تولے چاندی ہے۔ اگر کسی کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باوَن تولے چاندی یا ان میں سے کسی کی قیمت کے برابر رقم ہو جو حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ زکوٰۃ کُل مال کا ڈھائی فیصد (2.5%) ادا کرنا واجب ہے۔

☆ کسی کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی ہے اور دونوں کی مقدار نصاب سے کم ہے تو دونوں کی مالیت کا حساب کریں، اگر کل رقم ملا کر کم مالیت والے نصاب یعنی ساڑھے باوَن تولے چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو زکوٰۃ واجب ہے۔ اسی طرح اگر نصاب سے کم سونا اور کچھ روپے ہیں تو سونے کی مالیت نکالیں، اگر مالیت اور نقد رقم ملا کر ساڑھے باوَن تولے چاندی کی مالیت کے برابر ہو تو بھی زکوٰۃ واجب ہے۔

☆ مالِ تجارت پر بھی زکوٰۃ ہے جبکہ اسکی قیمت کم از کم نصاب کے برابر ہو۔ اگر سامانِ تجارت کی قیمت نصاب کو نہیں پہنچتی مگر اسکے پاس مالِ تجارت کے علاوہ سونا اور چاندی

بھی ہے تو ان تینوں کی مالیت جمع کریں اگر مجموعہ نصاب کو پہنچے تو زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر کسی کے چار بیٹے ہیں اور اس نے انہیں دینے کی ضرورت سے چار مکان خریدے تو ان پر زکوٰۃ نہیں۔ اگر کوئی مکان یا پلاٹ بیچنے کی نیت سے لیا تو اس پر زکوٰۃ ہے۔

☆ نابالغ لڑکیوں کا جو زیور بنایا گیا اور انہیں ابھی مالک نہ کیا گیا بلکہ اپنی ہی ملکیت میں رکھا اور انکے پہننے کے استعمال میں آتا ہے اگر چہ نیت یہ ہو کہ انکا بیاہ ہونے پر جہیز میں دیں گے۔ اگر تنہا وہ زیور یا وہ دوسرے مال کے ساتھ مل کر نصاب کے برابر ہے تو اسی مالک پر زکوٰۃ ہے۔ اگر وہ زیور نابالغ لڑکیوں کی ملکیت بنا دیا گیا تو اسکی زکوٰۃ کسی پر نہیں؛ والدین پر اسلیے نہیں کہ وہ انکی ملکیت نہیں اور لڑکیوں پر اسلیے نہیں کہ وہ نابالغہ ہیں۔

☆ وہ زیور جو عورت کی ملکیت ہے یا اسکے شوہر نے اسکی ملکیت کر دیا، اسکی زکوٰۃ ہرگز شوہر کے ذمہ نہیں اگر چہ وہ مالدار ہو اور نہ اسکی زکوٰۃ نہ دینے کا شوہر پر کوئی گناہ۔ ہاں شوہر کو چاہیے کہ بیوی کو سمجھائے کہ زکوٰۃ نہ دینا بہت بڑا گناہ ہے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید کرے۔ اور وہ زیور جو شوہر صرف پہننے کو دیا اور اپنی ہی ملکیت رکھا جیسا کہ بعض گھرانوں میں رواج ہے تو اسکی زکوٰۃ بیشک مرد کے ذمہ ہے جبکہ وہ زیور خود یا دوسرے مال سے مل کر نصاب کو پہنچے اور حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو۔

☆ چاند کی تاریخ کے حساب سے جس تاریخ اور جس وقت کوئی صاحب نصاب ہوا، جب سال گزر کر وہی تاریخ اور وقت آئے گا اس پر فوراً زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا۔ اب وہ جتنی دیر کرے گنا ہگار ہوگا۔ اسلیے زکوٰۃ سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی ادا کرنی چاہیے اور اسکے لیے بہترین مہینہ رمضان المبارک ہے جس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ستر فرضوں کے برابر ملتا ہے۔ سال پورا ہونے پر اس رقم کا حساب کر لیا جائے، جو رقم کم ہو فوراً دیدی جائے اور اگر زیادہ دیدی ہو تو اسے آئندہ سال کے حساب میں شمار کر لیا جائے۔

☆ مرد یا عورت جن کی اولاد میں خود ہے یعنی ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی وغیرہ اور جو انکی اولاد میں ہے یعنی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسہ نواسی وغیرہ اور شوہر یا بیوی؛ ان کو زکوٰۃ اور صدقہ ءفطر دینا جائز نہیں البتہ انہیں نفلی صدقہ دینا بہتر ہے۔ ان رشتوں کے علاوہ جو قریبی عزیز حاجتمند ہیں جیسے بہن بھائی، بھتیجا بھتیجی، بھانجا بھانجی، ماموں خالہ، چچا پھوپھی، یہ زکوٰۃ کا بہترین مصرف ہیں کہ اسمیں صلہ رحمی کا ثواب بھی ہوگا۔ نیز نفس پر بار بھی نہیں ہوگا کیونکہ آدمی اپنے سگے بہن بھائی یا انکی اولاد کو دینا گویا اپنے ہی کام میں استعمال کرنا سمجھتا ہے۔

☆ بہو داماد اور سوتیلی ماں یا سوتیلے باپ یا زوجہ کی اولاد یا شوہر کی اولاد کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ غنی کی نابالغ اولاد کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں جبکہ غنی کی بالغ اولاد کو دے سکتے ہیں جبکہ وہ فقیر ہوں۔ فقیر سے مراد وہ ہے جس کے پاس مال ہو مگر نصاب سے کم ہو یا وہ اتنا مقروض ہو کہ قرض نکالنے کے بعد صاحبِ نصاب نہ رہے۔ فقیر کو مانگنا ناجائز ہے جبکہ مسکین کو جائز ہے۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور وہ کھانے اور پہننے کے لیے مانگنے کا محتاج ہو۔

☆ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے نیت ضروری ہے۔ اگر سال بھر خیرات کیا بعد میں نیت کی کہ جو دیا زکوٰۃ ہے، اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔ زکوٰۃ دینے میں یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ زکوٰۃ ہے اسلیے اسے دل میں زکوٰۃ کی نیت کر کے مستحق عزیزوں کو مالی مدد یا عیدی وغیرہ کے طور پر بھی دے سکتے ہیں۔

☆ وہ طالب علم جو علمِ دین پڑھتے ہیں انہیں بھی زکوٰۃ دے سکتے ہیں بلکہ طالبِ علم سوال کر کے بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے جبکہ اس نے خود کو اسی کام کے لیے فارغ کر رکھا ہو اگر چہ کما سکتا ہو۔ جو لوگ زکوٰۃ دینی مدارس میں دیتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہاں کی انتظامیہ کو بتادیں کہ یہ زکوٰۃ ہے تاکہ وہ اسے شرعی مصارف میں خرچ کریں۔

☆ سید کو زکوٰۃ لینا بھی حرام اور اسے زکوٰۃ دینا بھی حرام۔ سید کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی کیونکہ زکوٰۃ مال کا میل ہے اور سادات کرام پاک ستھرے لطیف اور اہلِ بیتِ نبوت سے ہیں۔ انکی شان اس سے اعلیٰ کہ انہیں ایسی چیزیں دی جائیں۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ حاجتمند سادات کی اعانت کریں کہ یہ چیز انکے لیے دونوں جہان میں سعادت کی موجب ہے۔

☆ زکوٰۃ دینے میں افضل یہ ہے کہ پہلے اپنے بھائیوں بہنوں کو دے پھر انکی اولاد کو، پھر چچا اور پھوپھیوں کو پھر انکی اولاد کو، پھر ماموں اور خالہ کو پھر انکی اولاد کو پھر اپنے گاؤں یا شہر کے مستحقین کو۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے صدقہ کو قبول نہیں فرماتا جس کے رشتہ دار اسکے حسنِ سلوک کے محتاج ہوں اور وہ غیروں کو دے۔

☆ بدمذہب کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں اور اسی طرح ان مرتدین کو بھی دینے سے ادا نہ ہوگی جو زبان سے تو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن خدا و رسول کی شان گھٹاتے یا کسی اور دینی ضرورت کا انکار کرتے ہیں۔

(ماخوذ از بہارِ شریعت، فتاویٰ رضویہ)

☆☆☆☆☆

☆سورہ نور میں پردے کے احکام☆

سوال: سورہ نور میں عورتوں کے لیے پردے کے جو احکام آئے ہیں انہیں تفصیل سے بیان فرمائیے۔

جواب: اللہ تعالٰی عزّ وَجل کا فرمانِ عالیشان ہے،

"مسلمان مردوں کو حکم دو، اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ انکے لیے بہت ستھرا ہے، بیشک اللہ کو انکے کاموں کی خبر ہے۔

اور مسلمان عورتوں کو حکم دو، اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں، اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں مگر جتنا خود ہی ظاہر ہے اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں،

اور اپنا سنگھار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر، یا اپنے باپ یا اپنے شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹے یا اپنے شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے بھتیجے یا اپنے بھانجے یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیزیں جو اپنے ہاتھ کی ملک ہوں، یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں، یا وہ بچے جنھیں عورتوں کی شرم کی چیزوں کی خبر نہیں،

اور اپنے پاؤں زمین پر زور سے نہ رکھیں کہ جانا جائے انکا چھپا ہوا سنگھار (یعنی زیور)۔ اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو! سب سے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ"۔

(النور: ۳۰، ۳۱، کنزالایمان از اعلیٰ حضرت محدث بریلوی)

ان آیات میں پردے کے متعلق مندرجہ ذیل احکام بیان ہوئے ہیں:

اول: مسلمان مرد و عورت اپنی نگاہیں نیچی رکھیں،

دوم: اپنی شرمگاہ اور عصمت و پارسائی کی حفاظت کریں،

سوم: عورتیں اپنا بناؤ سنگھار نامحرموں سے چھپائیں،

چہارم: اپنے دوپٹے یا چادریں اپنے سینوں پر ڈالے رکھیں،

پنجم: اپنا مخفی بناؤ سنگھار بھی ظاہر نہ ہونے دیں۔

اول: انسانی نفسیات سے واقف کوئی شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ بے راہ روی کی ابتدا نامحرموں کو دیکھنے سے ہوتی ہے۔ اسلام چونکہ دین فطرت ہے اسلیے یہ ان تمام اسباب اور ذرائع پر پابندی عائد کرتا ہے جو گناہ کا موجب ہوں۔ امام غزالی فرماتے ہیں، اس معاملے میں نفس کی مثال ایک جانور کی سی ہے کہ جب ابتدا میں کسی سمت میں جانے کا رجحان ظاہر کرے تو اسکی لگام تھامنا اور اسے اس سمت میں جانے سے روکنا مشکل نہیں ہوتا لیکن اگر لگام کھلی چھوڑ دیں اور وہ کسی سمت گامزن ہو جائے تو پھر لاکھ اسکی دم کھینچیں اور اسے باز رکھنے کی کوشش کریں مگر کامیابی دشوار ہو جاتی ہے پس اصل بات یہ ہے کہ آنکھ کی حفاظت کی جائے کیونکہ ہر فتنے کی ابتدا آنکھ ہی سے ہوتی ہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے کسی نامحرم پر اچانک نظر پڑ جانے کے متعلق پوچھا تو آقا و مولیٰ ﷺ نے فوراً نظر پھیر لینے کا حکم دیا۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہوا، پہلی اچانک نظر معاف ہے مگر دوسری نظر جائز نہیں۔ (ترمذی) ایک اور حدیث شریف میں راستے کا ایک حق یہ بیان فرمایا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھی جائیں۔ (بخاری)

حدیثِ قدسی ہے، ''نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہریلا تیر ہے جس نے اسکو میرے خوف سے ترک کر دیا میں اسے ایمان کا وہ درجہ دوں گا جس کی مٹھاس اور لذت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا''۔ (طبرانی، تفسیر ابن کثیر) یعنی جو کوئی خوفِ خدا کے باعث نامحرموں کی طرف نہ دیکھے، اللہ تعالٰی اسے ایمان کی حلاوت عطا فرماتا ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ ''دل کی طرف کھلنے والا سب سے بڑا دروازہ نگاہ کا ہے۔ آنکھ کی بے راہ روی کی وجہ سے ہی اکثر گناہ صادر ہو جاتے ہیں اسلیے اس سے بچنا چاہیے اور تمام محرمات سے اسکی حفاظت کرنی چاہیے''۔

صدرُ الافاضل اس آیت کے تحت رقم طراز ہیں، ''حدیث شریف میں ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے بعض امہات المؤمنین سید عالم ﷺ کی خدمت میں تھیں اسی وقت ابنِ امِ مکتوم رضی اللہ عنہ آئے تو حضور ﷺ نے ازواج کو پردے کا حکم فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ وہ تو نابینا ہیں۔ فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو۔ (ترمذی، ابوداؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا بھی نامحرم مردوں کو دیکھنا اور انکے سامنے ہونا جائز نہیں''۔ (خزائن العرفان)

دوم: اسکا مفہوم یہ ہے کہ بدکاری سے بھی بچو اور اسکے تمام اسباب سے بھی۔ آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، نامحرم کو شہوت سے دیکھنا آنکھ کا زنا ہے، شہوانی باتیں سننا کان کا زنا ہے، ایسی باتیں کرنا زبان کا زنا ہے، نامحرم کو چھونا اور پکڑنا ہاتھ کا زنا ہے، اسکی طرف چلنا پاؤں کا زنا ہے، ایسی بری خواہش دل کا زنا ہے اور شرمگاہ اسے سچا یا جھوٹا کر دیتی ہے۔ (مسلم)

نورِ مجسم ﷺ کا فرمانِ ذیشان ہے، ''اگر تم میرے لیے چھ چیزوں کے ضامن بن جاؤ تو میں تمہارے لیے جنت کا ضامن ہوں۔ جب بات کرو تو سچ بولو، جب وعدہ کرو تو پورا کرو، جب امانت دی جائے تو ادا کرو، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو، اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور اپنے ہاتھ ظلم سے روک دو''۔ (مسند احمد)

مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی قدس سرہٗ فرماتے ہیں،

''مرد اور عورتیں اپنی اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، اس حکم کے تحت زناکاری کے علاوہ اور بھی سارے طریقے ناجائز شہوت رانی اور بدکاری و بدنظری کے آگئے۔ عاشقانہ افسانے اور ڈرامے، بے حیائی کے مناظر دکھانے والے تھیٹر اور سینما، خیالات وجذبات میں ہیجان پیدا کرنے والی تصویریں وغیرہ سب اسکے تحت میں آجاتی ہیں''۔

(سُنّی بہشتی زیور ص۲۰۲)

سوم: پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ نامحرم کون ہیں؟ دینِ اسلام میں عورت کا جن مردوں سے نکاح حرام ہے وہ محرم کہلاتے ہیں۔ انکی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو ابدی محرم ہیں یعنی ان سے کسی بھی صورت میں عورت کا نکاح حرام ہے جیسے باپ بیٹا بھائی سسر داماد چچا ماموں بھانجا بھتیجا وغیرہ۔ دوسرے وہ جو ابدی محرم نہ ہوں جیسے پھوپھا خالو بہنوئی جیٹھ دیور وغیرہ کہ ان سے حرمت کا رشتہ دائمی نہیں۔ کیونکہ جب تک عورت کی پھوپھی خالہ یا بہن انکے نکاح میں ہے ان سے نکاح حرام ہے مگر پھوپھی خالہ یا بہن کے انتقال یا طلاق ہوجانے کی صورت میں ان سے عورت کا نکاح حلال ہوجائے گا۔

چچا، تایا، ماموں، خالہ یا پھوپھی کے بیٹے جنہیں عرف میں بھائی کہا جاتا ہے اسی طرح منہ بولے بھائی یا انکل وغیرہ ان سب کو عموماً محرم سمجھ کر ان سے پردہ نہیں کیا جاتا جبکہ یہ سب غیر محرم ہیں، خواتین کے لیے ان عارضی محرموں اور نامحرموں سے پردہ کرنا اور اپنا بناؤ سنگھار چھپانا ضروری ہے۔

اب مذکورہ حکمِ قرآنی پر غور کیجیے کہ عورتیں اپنی زینت نہ دکھائیں مگر جتنی خود ہی ظاہر ہے۔ زینت میں ہر وہ چیز آجاتی ہے جو مردوں کے لیے عورت کی طرف رغبت کا باعث ہو، خواہ وہ زینت پیدائشی ہو جیسے حسین آواز، جسمانی خوبصورتی، خوش خرامی وغیرہ، خواہ وہ زینت کسبی ہو جیسے خوبصورت لباس، زیورات، پاؤڈر، غازہ، سرخی وغیرہ۔ ایسا بناؤ سنگھار جو شریعت کی حدود میں ہو جائز ہے بشرطیکہ نامحرموں کے سامنے نمائش مقصود نہ ہو۔

مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

''جسم کے وہ حصے اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو اگرچہ زینت کے مواقع ہیں لیکن انکے چھپائے رکھنے میں عموماً حرج اور زحمت ہے جیسے چہرے کی ٹکیا، ہتھیلیاں اور پاؤں، کیونکہ سرمہ لگانا چہرے کی اور خضاب یعنی مہندی لگانا اور انگوٹھیاں پہننا ہتھیلیوں اور انگلیوں کی زینت ہیں اور بہت سی دنیاوی اور دینی ضرورتیں انکے کھلا رکھنے پر مجبور کردیتی ہیں۔ اگر انکے چھپانے کا مطلقاً ہر حال میں حکم دیا جائے تو عورتیں بڑی دشواریوں میں پھنس جائیں اسلیے انہیں یہ رعایت دی گئی کہ اپنے محرم رشتہ داروں مثلاً باپ بیٹا بھائی چچا ماموں دادا نانا خسر اور داماد وغیرہ کے سامنے اپنے جسم کا وہ حصہ کھلا رکھ سکتی ہیں جسے کھلا رکھے بغیر وہ خانگی امور انجام نہیں دے سکتیں۔ جیسے آٹا گوندھتے وقت آستینیں چڑھالینا یا گھر کا فرش دھوتے وقت شلوار کے پائنچے ذرا اوپر چڑھا لینا کہ جسم کے یہ حصے اگرچہ زینت کے مواقع ہیں لیکن ان کا ''ہر ایک سے'' ہر حالت میں چھپائے رکھنا حرجِ عظیم اور باعثِ زحمت ہے۔

اسی لیے حنفی فقہاء ومفسرین کے یہاں چہرہ اور کفِ دست (ہتھیلیوں) اور پیروں کے دیکھنے کی اجازت ملتی ہے۔ لیکن خیال رہے کہ ان اعضاء کی طرف نظر کرنا یا انکا کھولے رکھنا صرف اور صرف اسی صورت میں جائز ہے کہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو ورنہ چہرہ تو چہرہ کفِ دست کا دیکھنا اور اس پر نظر جمانا بھی جائز نہیں''۔ (چادر اور چاردیواری ص۱۲۳)

مزید فرماتے ہیں، ''کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ اپنے حسن وجمال اور آرائش وزیبائش اور بناؤ سنگھار کی نمائش کی خاطر بھاڑ کی طرح منہ کھولے پھرے اور آوارہ گردوں کی نگاہوں کو دعوتِ نظارا دے، لغزشوں کا سامان فراہم کرے اور اسلامی معاشرے کو داغدار بنائے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ چہرہ، ہتھیلیاں اور پاؤں، یہ تینوں اعضاء ستر میں داخل نہیں، انکا چھپانا فرض نہیں مگر اجنبیوں کے لیے کھلا رکھنا ضرور حرام ہے''۔ (ایضاً ص۱۲۴)

چہارم: آقا ومولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، ''عورت، عورت ہے یعنی چھپانے کی چیز ہے، جب وہ نکلتی ہے تو اسے شیطان جھانک کر دیکھتا ہے''۔ (ترمذی) یعنی نامحرم عورت کو دیکھنا شیطانی کام ہے، یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ شیطان بدکار وآوارہ مردوں کو عورت کی طرف مائل کرتا ہے اور وہ بدنظری کے مرتکب ہوتے ہیں۔

چونکہ عورتوں میں آرائش وخودنمائی کا شوق جلدی پروان چڑھتا ہے اور یہ شوق اگر مخصوص اسلامی حدود کا پابند نہ رہے تو معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی پھیلنے لگتی ہے اسلیے اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو نگاہ کی حفاظت، عصمت وپارسائی کی حفاظت اور بناؤ سنگھار چھپانے کے احکام دینے کے بعد مزید تاکید فرمائی کہ وہ اپنی چادریں یا دوپٹے اپنے سینوں پر اوڑھے رکھیں تاکہ آوارہ لوگوں کی ہوسناک نظروں سے محفوظ رہیں اور معاشرے کی پاکیزگی بھی قائم رہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سر، گردن اور سینہ چھپانا فرض ہے۔ عورتوں کو چاہیے کہ وہ دبیز کپڑے کے دوپٹے یا چادریں سروں پر اسطرح اوڑھیں کہ انکا ایک حصہ پشت پر رہے اور دوسرا سینے پر۔ اسطرح سر کے بالوں کی رنگت بھی نظر نہیں آئے گی اور کمر، گردن، کان، گلا اور سینہ بھی عریاں نہ رہیں گے۔ بقول مفتی صاحب، ''گویا مسلمان

عورت، عفت وعصمت اور پارسائی کی ایک چلتی پھرتی تصویر اور شرم وحیا کی ایک جیتی جاگتی تنویر ہو، شرم کا مجسمہ، حیا کی پتلی"۔

آپ مزید لکھتے ہیں، بعض روایات میں آیا ہے کہ (ان آیات کے نازل ہونے پر) ان عورتوں نے باریک کپڑے چھوڑ کر اپنے موٹے موٹے اوڑھے جانے کے قابل کپڑوں سے اپنے لیے دوپٹے بنا کر سروں پر اوڑھے۔ (احکام القرآن) دوپٹے یا اوڑھنی کے اس طرح اوڑھنے میں جو حکمت ہے وہ ہے اسلامی معاشرے میں بیش از بیش پاکیزگی اور عفت شعاری کا رواج۔

یہ اگر ذہن نشین رہے تو یہ بات بآسانی آدمی سمجھ سکتا ہے کہ ایسے باریک گھاس پھوس دوپٹوں کا استعمال جن سے بالوں کی رنگت اور سینہ وغیرہ کی ساخت جھلکے، جو مقصدِ شرع کو پورا نہیں کرتے، تو انکا پہننا نہ پہننا برابر ہے۔ پھر بھی رسول اللہ ﷺ کی شریعتِ مطہرہ نے اسے ہماری کج فہم عقل وفہم پر نہ چھوڑا بلکہ صاف تصریح فرمادی۔

ابوداؤد شریف میں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مصر کی باریک ململ آئی۔ آپ نے ایک ٹکڑا اس میں سے مجھے دیا اور فرمایا، "ایک حصہ کا اپنے لیے کرتا بنالو اور ایک حصہ اپنی بیوی کو دے دو کہ وہ دوپٹہ بنالے۔ مگر اسے یہ جتادینا کہ اسکے نیچے ایک اور کپڑا لگالے تا کہ جسم کی ساخت اس سے نہ جھلکے"۔

(چادر اور چاردیواری، ص ۱۲۶)

آقا ومولیٰ ﷺ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے فرمایا، "عورت جب بالغ ہوجائے تو اسکے جسم کا کوئی حصہ سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے نظر نہ آئے"۔ (ابوداؤد) اسی طرح عورتوں کو چست کپڑے پہننا، جن سے جسم کا نقشہ کھنچ جائے اور اعضاء کی ہیئت نمایاں ہو، بالکل ناجائز اور ایسی حالت میں مردوں کو انکی طرف دیکھنا حرام ہے۔

پنجم: زمانہ جاہلیت میں عورتیں پازیب وغیرہ پہن کر جب مردوں کے قریب سے گزرتیں تو دانستہ اپنے پاؤں زمین پر مارتیں تا کہ مرد اس آواز کو سن کر انکی طرف متوجہ ہوں۔ اسلام نے ایسی تمام ذلیل واشتعال انگیز حرکات پر پابندی لگادی جو معاشرے میں بے حیائی پھیلانے کا سبب بن سکتی ہیں۔ نیز مسلمان خواتین کو یہ تعلیم دی کہ اگر کبھی شرعی عذر کی بنا پر گھر سے باہر نکلنا پڑے تو شریعتِ مطہرہ کے مطابق ستر پوشی کر کے وقار وسنجیدگی کے ساتھ نکلنا اور ہر اس چیز سے بچنا جو نامحرموں کو تمہاری طرف متوجہ ومائل کرنے کا باعث ہو۔

آقا ومولیٰ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، "وہ عورت جو بن سنور کر نامحرموں میں اِترا اِترا کر چلتی ہے وہ قیامت کے دن مجسم تاریکی کی مثل ہوگی جہاں روشنی کی کوئی کرن تک نہ ہو"۔ (ترمذی)

مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی فرماتے ہیں، "حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کی دعا قبول نہیں کرتا جس کی عورتیں جھانجن (آواز والا زیور) پہنتی ہوں"۔ اس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ جب زیور کی آواز دعا قبول نہ ہونے کا سبب ہے تو خاص عورت کی آواز اور اسکی بے پردگی کیسی تباہی کا باعث ہوگی؟"۔ (سنی بہشتی زیور حصہ دوم ص ۲۰۲)

آپ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں، "آیت کریمہ کا طرزِ خطاب صاف بتا رہا ہے کہ یہ ممانعت صرف پاؤں میں پہننے والے زیورات کی آواز تک محدود نہیں بلکہ اس سے مقصود ہر ایسی حرکت، ہر ایسے اقدام اور ہر ایسے فعل سے روک دینا ہے جو اجنبی مردوں کی رغبت اور دلکشی کا باعث ہو اور جو عورتوں کو نامحرموں کی توجہ والتفات کا مرکز بنا دے۔ اسی لیے شوخ رنگ، بھڑک دار لباس استعمال کر کے یا تیز خوشبو لگا کر عورتوں کا مجمع عام میں جانا، یا ایسے چست ملبوسات زیبِ تن کر کے اجنبیوں میں گزرنا جن سے بدن کی ساخت نمایاں ہو، شریعتِ مطہرہ کو ایک آنکھ، ایک آن کے لیے پسند وگوارا نہیں۔ چنانچہ نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے عورتوں کو حکم دیا کہ "وہ خوشبو لگا کر گھروں سے باہر نہ نکلیں حتیٰ کہ مسجدوں میں بھی تیز خوشبو لگا کر نماز پڑھنے کے لیے نہ جائیں"۔

ابوداؤد وابن ماجہ میں مروی ہے کہ ایک عورت مسجد سے نکل کر جارہی تھی۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اسکے پاس سے گذر ہوا تو آپ نے اسے روک کر دریافت فرمایا، اے خداوندِ جبار کی بندی! کیا تو مسجد سے آرہی ہے؟ عرض کیا، جی ہاں۔ ارشاد فرمایا، میں نے اپنے محبوبِ اکرم ابوالقاسم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عورت کی نماز قبول نہیں فرماتا جو مسجد میں تیز خوشبو لگا کر جائے، جب تک وہ گھر آ کر غسلِ جنابت نہ کرلے"۔

امام ترمذی نے روایت کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا، "جو عورت عطر لگا کر (یعنی کسی تیز خوشبو میں خود کو بسا کر) مردوں کے مجمع سے گزرے تا کہ لوگ اسکی خوشبو سے لطف اندوز ہوں (اور ظاہر ہے کہ تیز خوشبوؤں میں بس کر مردوں میں سے گزرنا اسی مقصد سے ہوتا ہے) تو وہ عورت ایسی اور ایسی (یعنی زانیہ) ہے"۔

مذکورہ آیت کریمہ سے یہ بات بھی مستنبط ہوتی ہے کہ جب زیور کی آواز کا غیروں کے کانوں تک پہنچنا شریعتِ مطہرہ کو ہرگز پسند نہیں، بلکہ وہ اسکے چھپانے کا اس قدر اہتمام کرتی ہے تو خود اسکی آواز کا غیروں کے کانوں سے ٹکرانا کس قدر ناپسندیدہ ہوگا، پھر جب اسکی آواز چھپانے کے قابل ہے تو صورت کیونکر چھپانے کے قابل نہ ہوگی کہ اصل فتنہ کا باعث تو شکل وصورت ہی ہے۔..........

اللہ اللہ! عفت وپارسائی اور پاکدامنی کا کس قدر اہتمام ہماری شریعتِ مطہرہ میں ہے اور فتنہ وشر کے کیسے کیسے دروازوں، درازوں اور سوراخوں کو ہماری شریعتِ کاملہ نے بند کردیا ہے۔ ایک طرف تو یہ احتیاطیں اور پابندیاں ہیں اور دوسری طرف گانے اور طرح طرح کے سریلے باجوں کے ساتھ گانے ہی کی نہیں بلکہ مرد وعورت کے مشترکہ ناچ کی آزادیاں ہیں! دونوں زندگیوں کے نتائج بالکل ظاہر ہیں"۔

(چادر اور چار دیواری، ص۱۳۲، ملخصاً)

☆چہرے کے پردے کی شرعی حیثیت☆

سوال: بعض خواتین کہتی ہیں کہ چہرے کا پردہ کرنے کا قرآن وحدیث میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ آپ فرمایئے کہ موجودہ دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پردے کے احکام پر کس حد تک عمل کیا جانا چاہیے؟

جواب: پہلی بات تو یہ ذہن نشین رکھیے کہ ہمیں دین اسلام کے مطابق عمل کرنا چاہیے نہ یہ کہ ہم دین اسلام کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی آرزو کریں۔

باری تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے، ''جو حکم نہ مانے اللہ اور اسکے رسول کا وہ بیشک صریح گمراہی میں بہکا''۔ (الاحزاب:۳۶، کنزالایمان)

دوسری جگہ یہ حکم فرمایا گیا، ''اور جو کچھ رسول تمہیں عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو''۔ (الحشر:۷، کنزالایمان)

قبل ازیں سورہ نور میں ستر عورت سے متعلق احکام بیان کیے گئے اب ہم خاص حجاب سے متعلق گفتگو کرتے ہیں تا کہ ان خواتین کی غلط فہمی دور ہو جائے جو کہتی ہیں کہ چہرے کے پردے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ رب کریم حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے آمین۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوا، ''اے (غیب بتانے والے) نبی! اپنی بیبیوں اور صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں، یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ انکی پہچان ہو تو ستائی نہ جائیں''۔ (الاحزاب:۵۹، کنزالایمان)

یہاں ضمناً یہ بات عرض کرتا چلوں کہ بعض جہلاء اور اہل بیت اطہار کے دشمن صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بنتِ رسول ہونے کے مدعی ہیں اور نبی کریم ﷺ کی دیگر تین صاحبزادیوں کا انکار کرتے ہیں۔ مذکورہ آیت کریمہ پر غور کیجیے اس میں لفظ ''بَنَاتِکَ'' آیا ہے۔ قرآن کریم نے بنت (ایک بیٹی) نہیں کہا بلکہ جمع کا لفظ بنات استعمال فرمایا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ کی ایک سے زیادہ صاحبزادیاں تھیں۔ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ص ۲۰۲، طبقات ابن سعد ج ۱ص ۱۳۳، الاستیعاب ج ۲ص ۷۱۸)

شیعہ فرقہ کی معتبر ترین کتاب اصول کافی سے بھی یہ بات ثابت ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ ''حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے بطن سے حضور کی یہ اولاد پیدا ہوئی بعثت سے پہلے قاسم، رقیہ، زینب، ام کلثوم، اور بعثت کے بعد طیب، طاہر اور فاطمہ علیہا السلام''۔

(اصول کافی ج ۱ص ۴۳۹ مطبوعہ تہران)

؎ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں۔ مذکورہ آیت کی تفسیر میں سید المفسرین سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، اپنی چادریں اپنے چہروں پر لٹکائیں یعنی چہرہ چھپالیں اور چادروں کو اس طرح اوڑھیں کہ سینہ، شکم، پشت اور گلا ڈھکا رہے، یہ اسلیے بہتر ہے کہ وہ پہچانی جائیں کہ بدکار نہیں ہیں۔ (تنویر المقباس زیر آیت ہٰذا)

حضرت قتادہ، ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ رحمہم اللہ نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں، یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جوان عورتوں کو نامحرموں سے چہرہ چھپانے کا حکم ہے۔ (احکام القرآن ج ۳ص ۴۵۸)

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں،

یہ حکم اس لیے دیا گیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ بدکار عورتیں نہیں ہیں کیونکہ جو عورت چہرہ چھپا رہی ہے حالانکہ یہ ستر میں داخل نہیں تو اس سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنا ستر غیر کے سامنے ظاہر کرنے پر راضی ہوگی۔ (تفسیر کبیر ج ۶ص ۵۹۱)

ان دلائل سے ثابت ہو گیا کہ مسلمان عورتیں جب کسی شرعی ضرورت کے تحت گھر سے باہر نکلیں تو انکا سارا جسم کسی بڑی چادر یا برقعہ سے ڈھکا ہوا ہونا چاہیے، چہرہ بھی حجاب میں چھپا ہوا ہو، صرف آنکھیں کھلی رکھنے کی اجازت ہے جیسا کہ حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ نے حضرت عبیدۃ السلمانی رضی اللہ عنہ سے (جو فقیہ تابعی تھے) روایت کیا ہے۔ علامہ ابن حیان فرماتے ہیں کہ اندلس میں مسلمان عورتیں اسطرح پردہ کرتی ہیں کہ انکا سارا چہرہ چھپا ہوتا ہے صرف ایک آنکھ کھلی ہوتی ہے۔ (بحر محیط)

موجودہ دور کے حالات و واقعات کے تناظر میں دیکھا جائے تو عورت کو شدید مجبوری کے سوا گھر سے باہر نکلنا ہی نہیں چاہیے، اسی میں عورت کی بھلائی اور عصمت و آبرو کی سلامتی ہے۔ اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے، ''اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی''۔ (الاحزاب:۳۳، کنزالایمان)

اگلی جاہلیت سے مراد اسلام سے قبل کا زمانہ ہے، اس زمانہ میں عورتیں اتراتی نکلتی تھیں اور اپنی زینت و محاسن کا اظہار کرتی تھیں تا کہ غیر مرد دیکھیں۔ لباس ایسے پہنتی تھیں جن سے جسم کے اعضاء اچھی طرح نہ ڈھکیں اور پچھلی جاہلیت سے آخری زمانہ مراد ہے جس میں لوگوں کے افعال پہلوں کی مثل ہو جائیں گے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں بنو تمیم قبیلے کی چند عورتیں آئیں جنھوں نے باریک لباس پہنا ہوا تھا آپ نے ان سے فرمایا، اگر تم ایمان والی عورتیں ہو تو جان لو کہ یہ لباس مومن عورتوں کا نہیں ہے اور اگر تم مومن نہیں ہو تو پھر جو چاہو کرو۔ (تفسیر قرطبی) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ ارشاد گرامی بھی پیش نظر رکھیے کہ جب ان سے

پوچھا گیا، عورتوں کے لیے کون سی بات سب سے بہتر ہے؟ تو آپ نے فرمایا، ''نہ وہ غیر مردوں کو دیکھیں اور نہ ہی غیر مرد انہیں دیکھیں''۔

(سنی بہشتی زیور ص ۲۰۴ بحوالہ دار قطنی)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ امام فقیہ ابواللیث اور فتح القدیر وغیرہ کتب فقہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو سات مواقع پر گھر سے نکلنے کی اجازت دے۔

۱۔ والدین یا ان میں سے کسی سے ملاقات (ہفتہ میں ایک بار دن بھر کے لیے) ۲۔ ان کی عیادت، ۳۔ ان کی تعزیت، ۴۔ دیگر محرم رشتہ داروں سے ملاقات (سال میں ایک بار، دن ہی کے وقت میں)، ۵۔ اگر دایہ ہو یا ۶۔ مردہ نہلانے والی ہو یا ۷۔ اسکا کسی دوسرے پر حق ہو یا دوسرے کا اس پر حق ہو۔

ان آخری تین صورتوں میں با اجازت اور ضرورتا بلا اجازت بھی نکل سکتی ہے، حج بھی اسی حکم میں ہے ان مواقع کے علاوہ اجنبیوں (اور غیر محرم رشتہ داروں) کی ملاقات، انکی عیادت اور انکے یہاں غمی یا شادی میں شرکت کے لیے شوہر اجازت نہ دے اگر اجازت دی تو دونوں گناہگار ہوں گے۔ (جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور)

اب قرآن وسنت سے پیش کردہ دلائل کی روشنی میں پردے سے متعلق احکام کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ خواتین جب کسی شرعی ضرورت سے باہر نکلیں تو پہلے اپنا جسم کسی بڑی چادر یا برقعہ سے اچھی طرح ڈھانپ لیں اور چہرہ بھی چھپالیں، صرف آنکھیں کھلی رکھنے کی اجازت ہے۔

۲۔ یہ بھی خیال رکھیں کہ انکا بناؤ سنگھار کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے۔ اس میں ہر وہ چیز آجاتی ہے جو غیر مردوں کے لیے عورت کی طرف رغبت کا باعث ہو جیسے خوشبو، زیور، ناز وادا سے چلنا اور پردے کے لیے اوڑھی گئی چادر کا منقش وجاذب نظر ہونا وغیرہ کہ یہ سب باتیں مردوں کو متوجہ کرنے کا باعث ہوتی ہیں۔

۳۔ عورت کہیں تنہا نہ جائے اسکے ساتھ محرم ہونا چاہیے۔ شریعت مطہرہ نے حج جیسی عظیم عبادت کی ادائیگی کے لیے بھی عورت کے ساتھ محرم کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔ اس پُر فتن دور میں احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ عورت گھر سے باہر کہیں بھی جائے محرم ساتھ ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے، جب کوئی مرد غیر عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے وہاں تیسرا شیطان ضرور ہوتا ہے۔ (ترمذی) یعنی مرد وعورت کی تنہائی میں ملاقات کے وقت شیطان ضرور اثر انداز ہوتا ہے۔

مجددِ دین وملت امام اہلِ سنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہ اپنے ایک فتوے میں فرماتے ہیں، فتنہ وہی نہیں کہ عورت کے دل سے پیدا ہو، وہ بھی ہے اور سخت تر ہے جس کا فاسقوں سے عورت پر اندیشہ ہو، یہاں عورت کی صلاح کیا کام دے گی؟ (جمل النور)

دوسری جگہ فرماتے ہیں، ''سلمٰی پارسا ہے ہاں! پارسا ہے وَبَارَکَ اللہ (اللہ اسکی پارسائی میں برکت دے) مگر جانِ برادر! کیا پارسائیں معصوم ہوتی ہیں؟ کیا صحبتِ بَدْ میں اثر نہیں؟...... عورت کا عورت کے ساتھ ہونا زیادتِ عورت ہے نہ کہ حفاظت کی صورت، سونے پر جتنا سونا بڑھاتے جایئے محافظ کی ضرورت ہوگی نہ یہ کہ ایک توڑا دوسرے کی نگہداشت کرے''۔ (مروج النساء لخروج النساء)

۴۔ عورت کسی نامحرم کے ساتھ نہ چھوئے اسلیے عورت کسی ایسی جگہ ہرگز نہ جائے جہاں مرد وعورت کا آزادانہ اختلاط ہو اور ہجوم کے باعث نامحرموں سے جسم ٹکرانے کا احتمال ہو۔ حضرت ابو اسید انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا ومولیٰ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا، ''تم راستے کے درمیان میں نہ چلو بلکہ کناروں پر چلا کرو''۔ اس ارشاد مبارک کے بعد عورتیں دیواروں کے ساتھ چلتیں یہانتک کہ انکے کپڑے دیواروں کے ساتھ لگ رہے ہوتے تھے۔ (ابوداؤد)

۵۔ عورت کی آواز اور لہجہ کی قدرتی نرمی اور نزاکت مرد کی نفسانی خواہشات ابھارنے کا باعث بن سکتی ہے۔ اسلیے عورتوں کو چاہیے کہ جب کسی نامحرم سے کسی حقیقی ضرورت کے تحت گفتگو کرنی پڑے تو پوری احتیاط سے سادہ لہجے میں بقدرِ ضرورت بات کریں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ''اگر اللہ سے ڈرو تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے، ہاں اچھی بات کہو''۔ (الاحزاب: ۳۲، کنز الایمان)

صدر الافاضل فرماتے ہیں، اگر کسی ضرورت کے تحت غیر مرد سے پسِ پردہ گفتگو کرنی پڑے تو کوشش کرو کہ لہجے میں نزاکت نہ آنے پائے اور بات میں لوچ نہ ہو، بات نہایت سادگی سے کی جائے، عفت مآب خواتین کے لیے یہی شایان ہے۔ (خزائن العرفان)

☆ کیا بے پردگی ہماری ضرورت ہے؟ ☆

سوال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ دور میں بے پردگی ہماری ضرورت بن چکی ہے، مخلوط محافل میں لڑکیوں کو آرائش وزینت کے ساتھ لے کر جائیں گے تو انکے لیے رشتے آئیں گے، ویسے بھی چادر یا دوپٹہ نہ لینا کوئی کفر واسلام کا مسئلہ تو نہیں ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اس خیال کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: سب سے پہلے تو یہ جان لیجیے کہ شریعتِ مطہرہ کے کسی بھی حکم کی توہین یا اسے ہلکا جاننے کا کیا حکم ہے! صدر الشریعہ لکھتے ہیں، ''کسی شخص کو شریعت کا حکم بتایا کہ اس معاملہ میں یہ حکم ہے، اس نے کہا، ہم شریعت پر عمل نہیں کریں گے ہم تو رسم کی پابندی کریں گے۔ ایسا کہنا بعض مشائخ کے نزدیک کفر ہے''۔

(بہار شریعت جلد اول حصہ نہم ص ۱۳۲ بحوالہ فتاویٰ عالمگیری)

اب شرم وحیا اور غیرت کے متعلق قرآن وسنت کے انوار ملاحظہ فرمائیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا،
''تم فرماؤ میرے رب نے تو بے حیائیاں حرام فرمائیں جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی''۔ (الاعراف: ۳۳، کنزالایمان)
حبیبِ کبریا ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ''غیرت ایمان کی علامت ہے اور بے غیرتی نفاق کی نشانی ہے''۔ (بیہقی)
دوسری جگہ ارشاد ہوا، ''اللہ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں اسی لیے اس نے ظاہری و پوشیدہ ہر قسم کی بے حیائیوں کو حرام فرمادیا ہے''۔ (بخاری، مسلم)

ایک اور حدیث پاک میں فرمایا گیا، ''ایمان اور حیا دونوں ساتھی ہیں جب ایک یعنی حیا چلی جائے تو دوسرا یعنی ایمان بھی چلا جاتا ہے''۔ (مشکوٰۃ)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ ایمان والے غیرت مند ہوتے ہیں اور غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ ظاہر و پوشیدہ تمام بے حیائیوں سے نفرت کی جائے اور بے پردگی تو ایسی کھلی بے حیائی ہے کہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا، ''(بلا عذر شرعی) نامحرم کو دیکھنے والے پر اور جسے دیکھا جائے اس پر بھی (جبکہ وہ قصداً خود کو دکھائے) دونوں پر اللہ کی لعنت ہے''۔ (مشکوٰۃ)
مفتی محمد خلیل خاں قادری فرماتے ہیں، ''کہاں تو شریعت مطہرہ کی یہ تاکید کہ عورت ہلکی خوشبو استعمال کرے کہ تیز خوشبو سے غیر مرد اسکی جانب متوجہ ہونگے اور کہاں بیبا کی وخود نمائی کی یہ نمائشیں کہ آدھے سر کے بال اور کلائیاں اور کچھ حصہ گلے یا پنڈلی کا کھلا رہنا تو گویا کوئی عیب ہی نہیں۔ اور زیادہ بانکپن ہوا، نمائش کا شوق بڑھا تو دوپٹہ ڈھلکا ہوا، کریب یا جالی یا باریک ململ یا نازک وائل یا اور ایسے ہی کپڑوں کا لباس، کرتے قمیص، جمپر فراک جس سے بدن کی رنگت چمکے اور اسی حالت میں انکا غیروں میں جانا، اجنبیوں میں پھرنا، غیر مردوں کے ساتھ بازاروں اور عام گذرگاہوں میں خرید وفروخت کرنا؛ کہاں تو عورتوں کا اپنے محلّہ کی مسجد میں گھر کے دروازے پر دوقدم کے فاصلے پر جانا ممنوع وناجائز اور کہاں سیر تماشے، باجے تاشے کی محفلوں میں مجلسوں میں بڑھتی ہوئی بے حیائیاں اور پروان چڑھتی آوارگیاں! کہاں تو حدیث میں غیروں کے گھر تو غیروں کے گھر، جہاں نہ اپنا قابو نہ اپنا گذر، اپنے مکانوں کی نسبت آیا کہ ''عورتوں کو بالاخانوں (اوپری منزل) پر نہ رکھو'' کہ نامحرموں کی نظریں ان پر یا انکی نظریں ان پر پڑیں گی، اور کہاں سینما، تھیٹر، پاپ گھر اور پارکوں کلبوں میں یہ عریانیاں اور بدلحاظیاں۔

خیالی روشنی، روشن خیالی آج کل کی ہے
دلوں سے سلب اس نے کر لیا ہے نورِ ایمانی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''دوزخیوں میں دو گروہ ہیں۔ ان میں ایک ان عورتوں کا ہے جو بظاہر تو کپڑے پہنتی ہیں مگر حقیقت میں ننگی ہیں یعنی اس قدر باریک اور ایسی لاپرواہی سے کپڑے پہنتی ہیں کہ انکا بدن چمکتا ہے اور کہیں سے کھلا ہوتا ہے کہیں سے چھپا ہوا۔ وہ خود بھی دوسرے مردوں کی طرف رغبت کرتی ہیں (کہ بناؤ سنگھار کر کے دوسروں کا دل لبھاتی یا سر سے دوپٹہ اتار ڈالتی ہیں تاکہ دوسرے انکا چہرہ دیکھیں) اور مٹک مٹک کر چلتی ہیں (تاکہ دوسروں کو فریفتہ اور اپنی طرف مائل کریں) یہ عورتیں ہرگز جنت میں داخل نہ ہونگی اور جنت کی خوشبو بھی نہ پائیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو بہت دور سے معلوم ہو جاتی ہے اور دور دور تک پھیلتی ہے''۔ (مشکوٰۃ)

(سنی بہشتی زیور حصہ دوم ص ۲۰۶، ۲۰۷)

ہمارے معاشرے میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اپنی بیوی کے کہنے پر خلاف شرع کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں اور اپنی بیوی اور بیٹیوں کی بے پردگی پر راضی ہو کر غیرتِ ایمانی سے محروم ہو جاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورتوں پر حاکم بنا کر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ بعض جگہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بیوی نیک ہے اور غیرتِ ایمانی سے محروم شوہر اسے بے پردگی پر مجبور کرتا ہے ایسے شخص کو رحمتِ عالم ﷺ نے دیوث کہا اور فرمایا کہ دیوث پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ (مشکوٰۃ)

اکبر الہ آبادی نے خوب کہا ہے،

بے پردہ جو کل نظر آئیں چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا؟
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

سوال میں مذکورہ خیال کہ بیٹیوں کو زیب وزینت کے ساتھ بے پردہ رکھنے سے رشتے آتے ہیں، شیطان کا دھوکہ ہے۔ اگر محض اس قسم کی نفسانی خواہشات اور لغو تاویلات کے ذریعے حرام کو حلال کیا جانے لگے تو پھر شرعی احکام بدلنے کا کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہو جائے گا۔ مزید یہ کہ جس شادی کے لیے بنیاد حرام کام پر رکھی جا رہی ہو اسکے بارے میں تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ::

؎ جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا!

ہاں البتہ اچھے رشتے کے لیے شریعتِ مطہرہ کے مطابق ضرور کوشش کرنی چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا ہے وہ ضرور ملے گا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ رحمۃ القوی فرماتے ہیں،

"دلہن کو سجانا تو مسلمانوں میں قدیم سے رائج اور بہت سی احادیث سے ثابت ہے بلکہ کنواری لڑکیوں کو زیور ولباس سے آراستہ رکھنا کہ انکے رشتے آئیں یہ بھی سنت ہے بلکہ عورت کا قدرت رکھنے کے باوجود بالکل بے زیور رہنا مکروہ ہے کہ یہ مرد سے مشابہت ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عورت کا بے زیور نماز پڑھنا مکروہ جانتیں اور فرماتیں کہ کچھ اور نہ ملے تو ڈورا ہی گلے میں باندھ لے۔ بجنے والا زیور عورت کے لیے اس حالت میں جائز ہے کہ نامحرموں جیسے خالہ ماموں چچا پھوپھی کے بیٹوں، جیٹھ، دیور، بہنوئی کے سامنے نہ آتی ہو اور نہ اسکے زیور کی جھنکار نامحرم تک پہنچے"۔ (فتاویٰ رضویہ)

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے کنواری لڑکیوں کو زیور اور عمدہ لباس سے آراستہ رکھنے کی تلقین اسلیے فرمائی کہ خاندان کی دیگر خواتین انہیں دیکھیں گی تو اپنے لڑکوں کے لیے رشتہ کا پیغام دیں گی یا دیگر ملنے والوں کو اس طرف مائل کریں گی اور شرفاء کے ہاں اسی طرح رشتے طے کیے جاتے ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ کیا شادی سے قبل لڑکا لڑکی کو دیکھ سکتا ہے؟ اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے قرآن وحدیث سے چند دلائل پیشِ خدمت ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، "عورتوں میں سے جو پسند آئے اس سے نکاح کرو"۔ (النساء: ۳۰) اس آیت کریمہ سے اشارتاً دیکھنے کی اجازت ملتی ہے کیونکہ پسند کرنا دیکھنے پر منحصر ہے۔

اسکی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں ایک انصاری عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا، "اسے دیکھ لو"۔ (مسلم)

آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، ''جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینے لگے تو اگر اسکو دیکھنا ممکن ہو تو ضرور دیکھ لے''۔ (ابوداؤد) ایک صحابی سے سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا، ''تم جس سے نکاح کرنا چاہتے ہو اسے دیکھ لو، اس طرح تمہارے درمیان محبت والفت بڑھے گی''۔ (ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نکاح سے قبل عورت کی دینداری، پارسائی اور حسب نسب کے علاوہ صورت کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے اور اسکے لیے عورت کو شادی سے قبل دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شادی کے بعد اگر وہ پسند نہ آئی تو زندگی تلخ ہو جائے گی۔ لہٰذا عام حالات میں شرعی حکم یہی ہے کہ نامحرم کو نہ دیکھا جائے لیکن شادی کے بعد کی تلخیوں فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے شریعت نے اتنی گنجائش رکھی ہے کہ جب عورت کی پارسائی، دینداری اور حسب ونسب کے متعلق اطمینان ہو جائے تو عورت کو ایک نظر دیکھ لیا جائے اور دیکھنے میں بھی عورت کی شرم وحیا اور اپنے غیرت ووقار کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے۔

ضمناً یہ بات عرض کرنا ضروری ہے کہ بعض لوگ غربت یا مال کی کمی کے باعث شادی نہیں کرتے۔ لڑکی والے مالدار لڑکا چاہتے ہیں تو لڑکے والے بھی زیادہ جہیز والی لڑکی تلاش کرتے ہیں۔ حضور ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ''عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے مال ودولت، حسب نسب، حسن وجمال اور دینداری۔ تمہیں چاہیے کہ دینداری کو ترجیح دو''۔

(بخاری، مسلم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو نکاح کا حکم فرمایا ہے اسکی اطاعت کرو، اس نے جو غنی کرنے کا وعدہ کیا ہے پورا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ''اگر وہ فقیر ہونگے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے گا''۔ (النور:۳۲)

(بہارِ شریعت حصہ ہفتم ص۲ بحوالہ ابن ابی حاتم)

اب رہا یہ سوال کہ کیا شادی سے قبل لڑکا لڑکی کو دیکھ سکتا ہے؟ اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے قرآن وحدیث سے چند دلائل پیشِ خدمت ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ''عورتوں میں سے جو پسند آئے اس سے نکاح کرو''۔ (النساء:۳۰)

اس آیت کریمہ سے اشارتاً دیکھنے کی اجازت ملتی ہے کیونکہ پسند کرنا دیکھنے پر منحصر ہے۔ اسکی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں ایک انصاری عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا، ''اسے دیکھ لو''۔ (مسلم)

آقا ومولیٰ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، ''جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینے لگے تو اگر اسکو دیکھنا ممکن ہو تو ضرور دیکھ لے''۔ (ابوداؤد) ایک صحابی سے سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا، ''تم جس سے نکاح کرنا چاہتے ہو اسے دیکھ لو، اس طرح تمہارے درمیان محبت والفت بڑھے گی''۔ (ترمذی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نکاح سے قبل عورت کی دینداری، پارسائی اور حسب نسب کے علاوہ صورت کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے اور اسکے لیے عورت کو شادی سے قبل دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شادی کے بعد اگر وہ پسند نہ آئی تو زندگی تلخ ہو جائے گی۔ لہٰذا عام حالات میں شرعی حکم یہی ہے کہ نامحرم کو نہ دیکھا جائے لیکن شادی کے بعد کی تلخیوں فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے شریعت نے اتنی گنجائش رکھی ہے کہ جب عورت کی پارسائی، دینداری اور حسب ونسب کے متعلق اطمینان ہو جائے تو عورت کو ایک نظر دیکھ لیا جائے اور دیکھنے میں بھی عورت کی شرم وحیا اور اپنے غیرت ووقار کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے۔

ضمناً یہ بات عرض کرنا ضروری ہے کہ بعض لوگ غربت یا مال کی کمی کے باعث شادی نہیں کرتے۔ لڑکی والے مالدار لڑکا چاہتے ہیں تو لڑکے والے بھی زیادہ جہیز والی لڑکی تلاش کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ''عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ مال و دولت، حسب نسب، حسن وجمال اور دینداری۔ تمہیں چاہیے کہ دینداری کو ترجیح دو''۔ (بخاری، مسلم)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو نکاح کا حکم فرمایا ہے اسکی اطاعت کرو، اس نے جو غنی کرنے کا وعدہ کیا ہے پورا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، ''اگر وہ فقیر ہونگے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا''۔ (النور:۳۳)

(بہارِ شریعت حصہ ہفتم ص۲ بحوالہ ابن ابی حاتم)

باب چہارم: غیر شرعی رسمیں

☆ شادی بیاہ کی رسمیں ☆

سوال: آج کل شادی بیاہ کے مواقع پر مختلف رسمیں رائج ہوگئی ہیں مثلاً پھولوں کا سہرا، اُبٹن مایوں، مہندی، بَری، بندوق سے فائرنگ، آتشبازی پٹاخے، وڈیو فلم اور گانا بجانا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں ان رسوم ورواج کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: صدرُ الشریعہ فرماتے ہیں، رسوم کی بنا عُرف پر ہے، یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ شرعاً واجب یا سنت یا مستحب ہیں لہٰذا جب تک کسی رسم کی ممانعت شریعت سے ثابت نہ ہو اس وقت تک اسے حرام یا ناجائز نہیں کہہ سکتے؛ مگر یہ ضرور ہے کہ رسوم کی پابندی اس حد تک کر سکتا ہے کہ کسی حرام فعل میں مبتلا نہ ہو۔

بعض لوگ اس قدر پابندی کرتے ہیں کہ ناجائز فعل کرنا پڑے تو پرواہ نہیں مگر رسم کا چھوڑنا گوارہ نہیں۔ مثلاً لڑکی جوان ہے اور رسوم ادا کرنے کو روپیہ نہیں تو یہ نہ ہوگا کہ رسمیں چھوڑ دیں اور نکاح کر دیں کہ سبکدوش ہوں اور فتنہ کا دروازہ بند ہو۔ اب رسوم کے پورا کرنے کو بھیک مانگتے، طرح طرح کی فکریں کرتے ہیں اس خیال میں کہ کہیں سے قرض مل جائے تو شادی کریں برسوں گزار دیتے ہیں اور یوں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ (بہارِ شریعت حصہ ہفتم ص۶۹)

اب ہم ان امور کا جائزہ لیتے ہیں جو سوال میں مذکور ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رسوم کے متعلق دو اہم قواعد بیان فرمائے ہیں جن کا سمجھنا ضروری ہے۔ آپ فرماتے ہیں، شرع شریف کا قاعدہ ہے کہ جس چیز کو خدا اور رسول اچھا بتائیں وہ اچھی ہے اور جسے برا فرمائیں وہ بری، اور جس سے سکوت فرمائیں یعنی شرع میں نہ اسکی خوبی بیان ہوئی نہ برائی، وہ اباحت اصلیہ پر رہتی ہے کہ اسکے فعل وترک میں ثواب نہ عتاب۔

دوم: کسی سے مشابہت کی بنا پر کسی فعل کی ممانعت اسی وقت صحیح ہے کہ جب فاعل کا ارادہ مشابہت کا ہو، یا وہ فعل اہل باطل کا شعار وعلامت خاصہ ہو

جسکے سبب وہ پہچانے جاتے ہوں۔ یا اگر خود اس فعل کی مذمت شرع مطہر سے ثابت ہو تو اسے برا کہا جائے گا ورنہ ہرگز نہیں، اور پھولوں کا سہرا ان سب باتوں سے پاک ہے لہٰذا جائز ہے۔ (ہادی الناس فی رسوم الاعراس)

دولہا دلہن کو اُبٹن لگانا، مائیوں بٹھانا جائز ہے (بشرطیکہ کوئی اور خلاف شرع امور جیسے گانا بجانا اور نامحرموں سے اختلاط وغیرہ نہ پائے جائیں)۔ دولھا کو مہندی لگانا، ناجائز ہے۔ ڈال بری کی رسم کہ کپڑے وغیرہ بھیجے جاتے ہیں جائز ہے البتہ دولھا کو ریشمی کپڑے پہننا پہنانا حرام ہے۔

(بہارِ شریعت حصہ ہفتم ص ۷۱)

فی زمانہ صرف مہندی کی رسم پر لاکھوں خرچ کردیے جاتے ہیں جو کہ اسراف و حرام ہے پھر اس موقع پر عورتوں کا بن سنور کر بے پردہ نامحرموں کے سامنے آنا حرام...... مزید یہ کہ گانا بجانا ہوتا ہے وہ بھی حرام...... ستم بالائے ستم یہ کہ ان تمام خرافات کی ویڈیو فلم بنائی جاتی ہے تاکہ بے پردہ عورتوں کے ناچ گانے اور دیگر بے حیائیاں جب دل چاہے دیکھی جائیں، ظاہر ہے کہ یہ ویڈیو فلم بنانا اور بنوانا بھی حرام و سخت گناہ کا باعث ہیں۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، نکاح کے اعلان کی خاطر بندوق سے چند فائر کرنا جائز ہے جبکہ کھیل کود یا فخر و مستی کے طور پر جائز نہیں۔ آتشبازی جس طرح شادیوں اور شب برات میں رائج ہے بیشک حرام اور پورا جرم ہے کہ اسمیں مال کا ضیاع ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی فرمایا گیا، ارشاد ہوا، ''اور فضول نہ اڑا، بیشک (مال) اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں''۔ (بنی اسرائیل)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ماثبت بالسنۃ میں فرماتے ہیں، ''ہندوستان کے اکثر شہروں میں لوگ کھیل تماشے کے لیے آتشبازی کرتے ہیں اور پٹاخے چھوڑتے ہیں، یہ بہت بری بدعتوں میں سے ہے''۔

ناچ اور گانے بجانے کی رسم کے متعلق صدرُ الشریعہ مولانا امجد علی قادری قدس سرہٗ فرماتے ہیں، اکثر جاہل گھرانوں میں رواج ہے کہ محلہ کی یا رشتہ دار عورتیں جمع ہوتی ہیں اور گاتی بجاتی ہیں یہ حرام ہے۔ اول ڈھول بجانا ہی حرام پھر عورتوں کا گانا، مزید برآں عورتوں کی آواز نامحرموں کو پہنچنا اور وہ بھی گانے کی اور وہ بھی عشق و ہجر و وصال کے اشعار۔ (بہارِ شریعت حصہ ہفتم ص ۷۰)

شیخ الاسلام اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک ناپاک ملعون رسم جو بے تمیز احمق جاہل گھرانوں نے ہندوؤں سے سیکھی یعنی فحش گالیوں کے گیت گوانا اور مجلس میں حاضر مردوں اور عورتوں کو لچھے دار سنانا، سمدھیانہ کی عفیف پاکدامن عورتوں کو زنا کے الفاظ سے تعبیر کرنا کرانا خصوصاً اس ملعون بے حیا رسم کا عورتوں کے مجمع میں ہونا، ان کا اس ناپاک فاحشہ حرکت پر ہنسنا قہقہے اڑانا، اپنی کنواری لڑکیوں کو یہ سب کچھ سنا کر بدلحاظیاں سکھانا، بے حیا بے غیرت خبیث بے حمیت مردوں کا اس شہد پن کو جائز رکھنا، کبھی برائے نام لوگوں کے دکھاوے کو جھوٹ سچ ایک آدھ بار جھڑک دینا مگر قطعی بندوبست نہ کرنا۔ یہ وہ گندی و مردود رسم ہے جس پر اللہ عزوجل کی صدہا لعنتیں اترتی ہیں، اسکے کرنے والے، اس پر راضی ہونے والے، اسکی مناسب روک تھام نہ کرنے والے سب فاسق و فاجر، مرتکبِ کبائر، مستحقِ غضبِ جبار و عذابِ نار ہیں۔

جس شادی میں ایسی حرکتیں ہوں مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس میں ہرگز نہ شریک ہوں، اگر نادانستہ شریک ہوگئے ہوں تو فوراً اسی وقت اٹھ جائیں اور اپنی بیوی بیٹی ماں بہن کو گالیاں نہ دلوائیں، فحش نہ سنوائیں ورنہ یہ بھی ان ناپاکیوں میں شریک ہونگے اور غضبِ الٰہی سے حصہ لیں گے۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ) ہرگز ہرگز اس معاملہ میں حقیقی بہن بھائی بلکہ ماں باپ کی بھی رعایت و مروت روا نہ رکھیں کیونکہ ''خدا کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں'' (حدیث) (ہادی الناس فی رسوم الاعراس)

ناچ کے متعلق صدرالشریعہ رقمطراز ہیں، ناچ میں جن فواحش و بدکاریوں اور مخربِ اخلاق باتوں کا اجتماع ہوتا ہے انکے بیان کی حاجت نہیں۔ ایسی ہی مجلسوں میں اکثر نوجوان آوارہ ہو جاتے ہیں، دھن دولت برباد کر بیٹھتے ہیں، بازاریوں سے تعلق اور برے برے نتائج رونما ہوتے ہیں اگر کوئی ان بدکاریوں سے محفوظ رہا تو اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ حیا و غیرت اٹھا کر طاق پر رکھ دیتا ہے۔ (بہارِ شریعت، ہفتم ص ۷۱)

مذکورہ بالا ناجائز رسموں کو ایسا لازم سمجھ لیا گیا ہے کہ گویا ان کے بغیر شادی ہی نہ ہوگی۔ صدرالشریعہ رقمطراز ہیں، ناچ، باجے اور آتشبازی حرام ہیں، کون انکی حرمت سے واقف نہیں مگر بعض لوگ ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ یہ نہ ہوں تو گویا شادی ہی نہ ہوئی بلکہ بعض تو اتنے بیباک ہوتے ہیں کہ اگر شادی میں یہ حرام کام نہ ہوں تو اسے غمی اور جنازہ سے تعبیر کرتے ہیں (خدا کی پناہ) یہ خیال نہیں کرتے کہ بری رسم ایک تو گناہ اور شریعت کی مخالفت ہے دوسرے مال ضائع کرنا ہے تیسرے تمام تماشائیوں کے گناہ کا یہی سبب ہے اور سب کے گناہوں کے مجموعہ کے برابر اس اکیلے پر گناہ کا بوجھ ہے (کہ اگر یہ اپنے گھر گناہوں کے سامان نہ پھیلاتا تو آنے والے ان گناہوں میں مبتلا نہ ہوتے)۔ (ایضاً)

☆کیا موسیقی روح کی غذا ہے؟☆

سوال: بعض احادیث میں دف بجانے اور اشعار پڑھنے کا ذکر ملتا ہے لہٰذا اگر شادی بیاہ کے مواقع پر دف بجا کر گانے وغیرہ گا لیے جائیں تو کیا حرج ہے؟ بعض لوگ موسیقی کو روح کی غذا کہتے ہیں اس کے متعلق بھی ارشاد فرمائیے۔

جواب: شیخ الاسلام مجددِ دین وملت امامِ اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو بھی اپنے فتاویٰ میں نہایت تحقیق وتفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے اسکا خلاصہ تحریر کیے دیتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں،

شریعتِ مطہرہ نے نکاح کے اعلان کی غرض سے صرف دف بجانے کی اجازت دی ہے جبکہ اس سے تجاوز کر کے مکروہ کھیل اور شیطانی لذت حاصل کرنے کی حد تک نہ پہنچے۔ اسی لیے علماء نے یہ قید لگائی کہ دف موسیقی کے قواعد پر نہ بجایا جائے، سُر تال کی رعایت نہ ہو اور نہ ہی اسمیں جھانج یا گھنگرو ہوں کہ وہ مستی لاتے ہیں اور ناجائز ہیں۔

دف کا بجانا مردوں کو ہر طرح مکروہ ہے اور نہ ہی یہ باعزت وباحیا عورتوں کو زیب دیتا ہے بلکہ نابالغہ چھوٹی چھوٹی بچیاں بجائیں اور اگر اسکے ساتھ کچھ سیدھے سادے اشعار یا سہرے کے اشعار ہوں جن میں نہ کوئی فحش مضمون ہو نہ کوئی بے حیائی کا ذکر، نہ فسق وفجور کی باتیں، نہ عورتوں میں عشقیہ باتوں کے چرچے، اور نہ ہی انکی آواز نامحرم مردوں کو پہنچے غرض یہ کہ ہر طرح منکرات اور فتنوں سے پاک ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک رشتہ دار عورت کا نکاح انصار میں کر دیا، حضور ﷺ تشریف لائے تو فرمایا، کیا تم نے لڑکی کو رخصت کر دیا؟ عرض کی، ہاں۔ فرمایا، اسکے ساتھ کسی گانے والی کو بھیجا ہے؟ عرض کی نہیں۔ آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا، انصار کو گیت پسند ہیں، اچھا ہوتا اگر تم کسی کو ساتھ بھیج دیتے جو یہ گیت گاتے، اتیناکم اتیناکم فحیانا وحیاکم ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے، اللہ ہمیں زندہ رکھے اور تمہیں بھی زندہ رکھے۔ (ابن ماجہ)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، حلال (نکاح) اور حرام (زنا) کے درمیان امتیاز آواز اور دف سے ہے۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) ایک روایت میں ہے کہ عید کے دن دو بچیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر دف بجا کر گیت گا رہی تھیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور انہیں ڈانٹنے لگے۔ آقا ومولیٰ ﷺ وہاں چادر اوڑھے آرام فرما تھے آپ نے چہرہ اقدس سے چادر ہٹا کر فرمایا، اے ابوبکر! انہیں کچھ نہ کہو کیونکہ آج عید کا دن ہے۔ (بخاری)

بخاری شریف جلد دوم میں ہے کہ حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر حضور ﷺ تشریف لائے تو کچھ بچیوں نے دف بجا کر شہدائے بدر کی شجاعت کے اشعار پڑھے۔ اس حدیث کے تحت امام بدرالدین محمود عینی فرماتے ہیں، اس حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ دف بجانا اور جائز گانے کے ذریعے نکاح کا اعلان کرنا جائز ہے تاکہ نکاح اور زنا میں فرق ہو جائے کیونکہ زنا خفیہ ہوتا ہے۔

مرقاۃ میں ہے کہ وہ لڑکیاں حدِ شہوت کو نہ پہنچی تھیں اور انکے دف میں گھنگرو نہ تھے۔ یہ حدیث نکاح کے اعلان کی غرض سے اور ولیمہ کے وقت دف بجانے کی دلیل ہے، بعض لوگوں نے ختنہ، عیدین، سفر سے آمد اور احباب کی خوشی کے اجتماع کو بھی اسی سے لاحق کیا ہے لیکن یہاں وہ دف مراد ہے جو اگلوں کے زمانہ میں ہوتا تھا اور ایسا دف جس میں گھنگرو ہوں وہ بالاتفاق ناجائز ہونا چاہیے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مروّجہ گانے بجانے کو ناجائز وحرام قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں؛

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ''اور کچھ لوگ کھیل (تماشہ) کی باتیں خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں بے سمجھے، اور اسے ہنسی (مذاق) بنالیں، انکے لیے ذلت کا عذاب ہے''۔ (لقمٰن: ۶، کنزالایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، امام حسن بصری، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، مکحول وغیرہم ائمہ صحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اس آیت کریمہ میں ''لہوَ الحدیث'' (کھیل تماشہ کی بات) کی تفسیر گانے بجانے سے فرمائی ہے۔

ابوالصہباء کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، ''کھیل کی بات سے مراد گانا ہے اُس خدا کی قسم جسکے سوا کوئی معبود نہیں''۔ آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔

بلکہ خود حدیث پاک میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے، گانے والی عورتوں کو سکھانا اور انکی خرید وفروخت کرنا جائز نہیں اور انکی قیمت حرام ہے۔ ایسے ہی

کاموں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے دور کردیں۔ یہ حدیث امام بغوی نے ابوامامہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

امام اہلسنت قرآن حکیم سے دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین سے فرمایا، ''دور ہو، تو ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو بیشک سب کا بدلہ جہنم ہے بھرپور سزا، اور ڈگادے (یعنی پھسلادے) ان میں سے جس پر تو قدرت پائے اپنی آواز سے''۔ (بنی اسرائیل)

امام مجاہد نے جو سلطان المفسرین عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے جلیل و بزرگ شاگردوں میں سے ہیں، اس آیت میں ''شیطان کی آواز'' کی تفسیر گانے بجانے اور مزامیر سے کی ہے۔ (ہادی الناس) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جو آواز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف منہ سے نکلے وہ شیطانی آواز ہے۔ (خزائن العرفان)

بعض علماء نے گانے بجانے کو ''زنا کا منتر'' قرار دیا ہے کیونکہ یہ نہ صرف خدا کی یاد سے غافل کرتا ہے بلکہ نفسانی جذبات پر ایسے اثر کرتا ہے جیسے آگ پر تیل ڈالا جائے۔ تعجب تو یہ ہے کہ بعض کلمہ گو مسلمان بھی غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی اسے ''روح کی غذا'' قرار دیتے ہیں حالانکہ گانے بجانے کی مذمت میں قرآن پاک کی مذکورہ آیات کے علاوہ متعدد احادیث مبارکہ بھی موجود ہیں۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

۱۔ رسولِ معظم ﷺ کا ارشاد ہے، گانا دل میں ایسے نفاق پیدا کرتا ہے جیسے پانی کھیتی کو پروان چڑھاتا ہے۔ (بیہقی، مشکوٰۃ)

۲۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، جو گانے والی لونڈی کی مجلس میں اسکا گانا سنے گا قیامت کے دن اسکے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔ (احکام القرآن لابن العربی)

اُس دور میں لونڈیاں ہی گایا کرتی تھیں اور گانا سننے کے لیے انکے پاس جانا پڑتا تھا اسلیے حدیث پاک میں انکا ذکر ہوا جبکہ موجودہ دور میں آڈیو ویڈیو کیسیٹ کے ذریعے یہ برائی گھر گھر پھیل رہی ہے لہٰذا یہ حدیث مبارکہ ان سب لوگوں کے لیے باعثِ عبرت ہے جو کسی بھی ذریعے سے گانے سنتے ہیں۔ نیز جب گانا سننے والے کے لیے یہ عذاب ہے تو گانے والے کس قدر عذاب کے مستحق ہونگے؟ العیاذ باللہ تعالیٰ

۳۔ رحمتِ عالم ﷺ کا ارشاد ہے، بیشک اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا اور موسیقی کے آلات حرام فرمادیے نیز ہر نشہ آور چیز کو بھی حرام فرمادیا۔ (بیہقی، مشکوٰۃ)

۴۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میری امت کے کچھ لوگ ہونگے جو زنا، ریشم، شراب اور گانے بجانے کو حلال سمجھیں گے (یعنی جائز کاموں کی طرح انہیں اختیار کریں گے)۔ (بخاری)

اب رہا یہ سوال کہ کیا شادی سے قبل لڑکا لڑکی کو دیکھ سکتا ہے؟ اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے قرآن وحدیث سے چند دلائل پیشِ خدمت ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:
''عورتوں میں سے جو پسند آئے اس سے نکاح کرو''۔ (النساء: ۳۰)
اس آیت کریمہ سے اشارۃً دیکھنے کی اجازت ملتی ہے کیونکہ پسند کرنا دیکھنے پر منحصر ہے۔ اسکی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے۔
ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک انصاری عورت سے شادی کرنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا ''اسے دیکھ لو''۔ (مسلم)
آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''جب تم میں سے کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیغام دینے لگے تو اگر اسکو دیکھنا ممکن ہو تو ضرور دیکھ لے''۔ (ابوداؤد) ایک صحابی سے سرکارِ دوعالم ﷺ نے فرمایا: ''تم جس سے نکاح کرنا چاہتے ہو اسے دیکھ لو، اس طرح تمہارے درمیان محبت والفت بڑھے گی''۔ (ترمذی)
ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نکاح سے قبل عورت کی دینداری، پارسائی اور حسب نسب کے علاوہ صورت کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے اور اسکے لیے عورت کو شادی سے قبل دیکھ لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شادی کے بعد اگر وہ پسند نہ آئی تو زندگی تلخ ہوجائے گی۔ لہٰذا عام حالات میں شرعی حکم یہی ہے کہ نامحرم کو نہ دیکھا جائے لیکن شادی کے بعد کی تلخیوں فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے شریعت نے اتنی گنجائش رکھی ہے کہ جب عورت کی پارسائی، دینداری اور حسب ونسب کے متعلق اطمینان ہوجائے تو عورت کو ایک نظر دیکھ لیا جائے اور دیکھنے میں بھی عورت کی شرم وحیا اور اپنے غیرت ووقار کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے۔
ضمناً یہ بات عرض کرنا ضروری ہے کہ بعض لوگ غربت یا مال کی کمی کے باعث شادی نہیں کرتے۔ لڑکی والے مالدار لڑکا چاہتے ہیں تو لڑکے والے بھی زیادہ جہیز والی لڑکی تلاش کرتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے ''عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ مال ودولت، حسب نسب، حسن وجمال اور دینداری۔ تمہیں چاہیے کہ دینداری کو ترجیح دو''۔ (بخاری، مسلم)
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے، اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو نکاح کا حکم فرمایا ہے اسکی اطاعت کرو، اس نے جو غنی کرنے کا وعدہ کیا ہے پورا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ''اگر وہ فقیر ہونگے تو اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے گا''۔ (النور: ۳۲)

(بہارِ شریعت حصہ ہفتم ص۲ بحوالہ ابن ابی حاتم)

باب چہارم: غیر شرعی رسمیں

☆ شادی بیاہ کی رسمیں ☆

سوال: آج کل شادی بیاہ کے موقع پر مختلف رسمیں رائج ہوگئی ہیں مثلاً پھولوں کا سہرا، اُبٹن مایوں، مہندی، بَری، بندوق سے فائرنگ، آتشبازی پٹاخے، وڈیو فلم اور گانا بجانا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں ان رسوم ورواج کی کیا حیثیت ہے؟
جواب: صدر الشریعہ فرماتے ہیں، رسوم کی بنا عرف پر ہے یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ شرعاً واجب یا سنت یا مستحب ہیں لہٰذا جب تک کسی رسم کی ممانعت شریعت سے ثابت نہ ہو اس وقت تک اسے حرام یا ناجائز نہیں کہہ سکتے، مگر یہ ضرور ہے کہ رسوم کی پابندی اس حد تک کرسکتا ہے کہ کسی حرام فعل میں مبتلا نہ ہو۔
بعض لوگ اس قدر پابندی کرتے ہیں کہ ناجائز فعل کرنا پڑے تو پرواہ نہیں مگر رسم کا چھوڑنا گوارہ نہیں۔ مثلاً لڑکی جوان ہے اور رسوم ادا کرنے کو روپیہ نہیں تو یہ نہ ہوگا کہ رسمیں چھوڑ دیں اور نکاح کردیں کہ سبکدوش ہوں اور فتنہ کا دروازہ بند ہو۔ اب رسوم کے پورا کرنے کو بھیک مانگتے، طرح طرح کی فکریں کرتے ہیں اس خیال میں کہ کہیں سے قرض مل جائے تو شادی کریں برسوں گزار دیتے ہیں اور یوں بہت سی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ (بہار شریعت حصہ ہفتم ص۶۹)
اب ہم ان امور کا جائزہ لیتے ہیں جو سوال میں مذکور ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے رسوم کے متعلق دو اہم قواعد بیان فرمائے ہیں جن کا سمجھنا ضروری ہے۔ آپ فرماتے ہیں، شرع شریف کا قاعدہ ہے کہ جس چیز کو خدا اور رسول اچھا بتائیں وہ اچھی ہے اور جسے برا فرمائیں وہ بری، اور جس سے سکوت فرمائیں یعنی شرع میں نہ اسکی خوبی بیان ہوئی نہ برائی، وہ اباحت اصلیہ پر رہتی ہے کہ اسکے فعل وترک میں ثواب نہ عتاب۔
دوم: کسی سے مشابہت کی بنا پر کسی فعل کی ممانعت اسی وقت صحیح ہے کہ جب فاعل کا ارادہ مشابہت کا ہو، یا وہ فعل اہل باطل کا شعار وعلامت خاصہ ہو جسکے سبب وہ پہچانے جاتے ہوں۔ یا اگر خود اس فعل کی مذمت شرع مطہر سے ثابت ہو تو اسے برا کہا جائے گا ورنہ ہرگز نہیں، اور پھولوں کا سہرا ان سب باتوں سے پاک ہے لہٰذا جائز ہے۔
(ہادی الناس فی رسوم الاعراس)
دولہا دلہن کو ابٹن لگانا، مایوں بٹھانا جائز ہے (بشرطیکہ کوئی اور خلاف شرع امور جیسے گانا بجانا اور نامحرموں سے اختلاط وغیرہ نہ پائے جائیں)۔ دولہا کو مہندی لگانا، ناجائز ہے۔ ڈال بَری کی رسم کہ کپڑے وغیرہ بھیجے جاتے ہیں جائز ہے البتہ دولہا کو ریشمی کپڑے پہننا پہنانا حرام ہے۔

(بہار شریعت حصہ ہفتم ص۱۷)

فی زمانہ صرف مہندی کی رسم پر لاکھوں خرچ کردیے جاتے ہیں جو کہ اسراف وحرام ہے پھر اس موقع پر عورتوں کا بن سنور کر بے پردہ نامحرموں کے سامنے آنا حرام......مزید

یہ کہ گانا بجانا ہوتا ہے وہ بھی حرام ...... ستم بالائے ستم یہ کہ ان تمام خرافات کی ویڈیو فلم بنائی جاتی ہے تاکہ بے پردہ عورتوں کے ناچ گانے اور دیگر بے حیائیاں جب دل چاہے دیکھی جائیں، ظاہر ہے کہ یہ ویڈیو فلم بنانا اور بنوانا بھی حرام وسخت گناہ کا باعث ہیں۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، نکاح کے اعلان کی خاطر بندوق سے چند فائر کرنا جائز ہے جبکہ کھیل کود یا فخر ومستی کے طور پر جائز نہیں۔ آتشبازی جس طرح شادیوں اور شب برات میں رائج ہے بیشک حرام اور پورا جرم ہے کہ اس میں مال کا ضیاع ہے۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں کو شیطان کے بھائی فرمایا گیا، ارشاد ہوا، ''اور فضول نہ اڑا، بیشک (مال) اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں''۔ (بنی اسرائیل)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ماثبت بالسنہ میں فرماتے ہیں، ''ہندوستان کے اکثر شہروں میں لوگ کھیل تماشے کے لیے آتشبازی کرتے ہیں اور پٹاخے چھوڑتے ہیں، یہ بہت بری بدعتوں میں سے ہے''۔

ناچ اور گانے بجانے کی رسم کے متعلق صدرالشریعہ مولانا امجد علی قادری قدس سرہ فرماتے ہیں، اکثر جاہل گھرانوں میں رواج ہے کہ محلہ کی یا رشتہ دار عورتیں جمع ہوتی ہیں اور گاتی بجاتی ہیں یہ حرام ہے۔ اول ڈھول بجانا ہی حرام پھر عورتوں کا گانا، مزید برآں عورتوں کی آواز نامحرموں کو پہنچنا اور وہ بھی گانے کی اور وہ بھی عشق وہجر ووصال کے اشعار۔ (بہارشریعت حصہ ہفتم ص ۷۰)

شیخ الاسلام اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک ناپاک ملعون رسم جو بے تمیز احمق جاہل گھرانوں نے ہندوؤں سے سیکھی یعنی فحش گالیوں کے گیت گانا اور مجلس میں حاضر مردوں اور عورتوں کو لچھے دار سنانا، سمدھیانہ کی عفیف پاکدامن عورتوں کو زنا کے الفاظ سے تعبیر کرنا کرانا خصوصاً اس ملعون بے حیا رسم کا عورتوں کے مجمع میں ہونا، ان کا اس ناپاک فاحشہ حرکت پر ہنسنا قہقہے اڑانا، اپنی کنواری لڑکیوں کو یہ سب کچھ سنا کر بدلحاظیاں سکھانا، بے حیا بے غیرت خبیث بے حمیت مردوں کا اس شہدپن کو جائز رکھنا، کبھی برائے نام لوگوں کے دکھاوے کو جھوٹ سچ ایک آدھ بار جھڑک دینا مگر قطعی بندوبست نہ کرنا۔ یہ وہ گندی ومردود رسم ہے جس پر اللہ عزوجل کی صدہا لعنتیں اترتی ہیں، اسکے کرنے والے، اس پر راضی ہونے والے، اسکی مناسب روک تھام نہ کرنے والے سب فاسق وفاجر، مرتکب کبائر، مستحق غضب جبار وعذاب نار ہیں۔

جس شادی میں ایسی حرکتیں ہوں مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس میں ہرگز نہ شریک ہوں، اگر نادانستہ شریک ہو گئے ہوں تو فوراً اسی وقت اٹھ جائیں اور اپنی بیوی بیٹی ماں بہن کو گالیاں نہ دلوائیں، فحش نہ سنوائیں ورنہ یہ بھی ان ناپاکیوں میں شریک ہوں گے اور غضب الٰہی سے حصہ لیں گے۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ) ہرگز ہرگز اس معاملہ میں حقیقی بہن بھائی بلکہ ماں باپ کی بھی رعایت ومروت روا نہ رکھیں کیونکہ ''خدا کی نافرمانی میں کسی کی فرمانبرداری نہیں'' (حدیث) (ہادی الناس فی رسوم الاعراس)

ناچ کے متعلق صدرالشریعہ رقمطراز ہیں، ناچ میں جن فواحش وبدکاریوں اور مخرب اخلاق باتوں کا اجتماع ہوتا ہے انکے بیان کی حاجت نہیں۔ ایسی ہی مجلسوں میں اکثر نوجوان آوارہ ہو جاتے ہیں، دھن دولت برباد کر بیٹھتے ہیں، بازاریوں سے تعلق اور برے برے نتائج رونما ہوتے ہیں اگر کوئی ان بدکاریوں سے محفوظ رہا تو اتنا تو ضرور ہوتا ہے کہ حیا وغیرت اٹھا کر طاق پر رکھ دیتا ہے۔ (بہارشریعت، ہفتم ص ۷۱)

مذکورہ بالا ناجائز رسموں کو ایسا لازم سمجھ لیا گیا ہے کہ گویا ان کے بغیر شادی ہی نہ ہوگی۔ صدرالشریعہ رقمطراز ہیں، ناچ، باجے اور آتشبازی حرام ہیں، کون انکی حرمت سے واقف نہیں مگر بعض لوگ ایسے منہمک ہوتے ہیں کہ یہ نہ ہوں تو گویا شادی ہی نہ ہوئی بلکہ بعض تو اتنے بیباک ہوتے ہیں کہ اگر شادی میں یہ حرام کام نہ ہوں تو اسے غمی اور جنازہ سے تعبیر کرتے ہیں (خدا کی پناہ) یہ خیال نہیں کرتے کہ بری رسم ایک تو گناہ اور شریعت کی مخالفت ہے دوسرے مال ضائع کرنا ہے تیسرے تمام تماشائیوں کے گناہ کا یہی سبب ہے اور سب کے گناہوں کے مجموعہ کے برابر اس اکیلے پر گناہ کا بوجھ ہے (کہ اگر یہ اپنے گھر گناہوں کے سامان نہ پھیلاتا تو آنے والے ان گناہوں میں مبتلا نہ ہوتے)۔ (ایضاً)

☆کیا موسیقی روح کی غذا ہے؟☆

سوال: بعض احادیث میں دف بجانے اور اشعار پڑھنے کا ذکر ملتا ہے لہٰذا اگر شادی بیاہ کے مواقع پر دف بجا کر گانے وغیرہ گا لیے جائیں تو کیا حرج ہے؟ بعض لوگ موسیقی کو روح کی غذا کہتے ہیں اس کے متعلق بھی ارشاد فرمایئے۔

جواب: شیخ الاسلام مجدد دین وملت امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کو بھی اپنے فتاویٰ میں نہایت تحقیق وتفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے اسکا خلاصہ تحریر کیے دیتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں،

شریعتِ مطہرہ نے نکاح کے اعلان کی غرض سے صرف دف بجانے کی اجازت دی ہے جبکہ اس سے تجاوز کر کے مکروہ کھیل اور شیطانی لذت حاصل کرنے کی حد تک نہ پہنچے۔ اسی لیے علماء نے یہ قید لگائی کہ دف موسیقی کے قواعد پر نہ بجایا جائے، سُر تال کی رعایت نہ ہو اور نہ ہی اس میں جھانج یا گھنگروہوں کہ وہ مستی لاتے ہیں اور ناجائز ہیں۔

دف کا بجانا مردوں کو ہر طرح مکروہ ہے اور نہ ہی باعزت وباحیا عورتوں کو زیب دیتا ہے بلکہ نابالغہ چھوٹی چھوٹی بچیاں بجائیں اور اگر اسکے ساتھ کچھ سیدھے سادے اشعار یا سہرے کے اشعار ہوں جن میں نہ کوئی فحش مضمون ہو نہ کوئی بے حیائی کا ذکر، نہ فسق وفجور کی باتیں، نہ عورتوں میں عشقیہ باتوں کے چرچے، اور نہ ہی انکی آواز نامحرم مردوں

کو پہنچے غرض یہ کہ ہر طرح منکرات و فتنوں سے پاک ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک رشتہ دار عورت کا نکاح انصار میں کر دیا، حضور ﷺ تشریف لائے تو فرمایا، کیا تم نے لڑکی کو رخصت کر دیا؟ عرض کی، ہاں۔ فرمایا، اسکے ساتھ کسی گانے والی کو بھیجا ہے؟ عرض کی نہیں۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، انصار کو گیت پسند ہیں، اچھا ہوتا اگر تم کسی کو ساتھ بھیج دیتے جو یہ گیت گاتے، اتینا کم اتینا کم فحیانا وحیا کم ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آئے، اللہ ہمیں زندہ رکھے اور تمہیں بھی زندہ رکھے۔ (ابن ماجہ)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، حلال (نکاح) اور حرام (زنا) کے درمیان امتیاز آواز اور دف سے ہے۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) ایک روایت میں ہے کہ عید کے دن دو بچیاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر دف بجا کر گیت گا رہی تھیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور انہیں ڈانٹنے لگے۔ آقا و مولیٰ ﷺ وہاں چادر اوڑھے آرام فرما تھے آپ نے چہرہ اقدس سے چادر ہٹا کر فرمایا، اے ابوبکر! انہیں کچھ نہ کہو کیونکہ آج عید کا دن ہے۔ (بخاری)

بخاری شریف جلد دوم میں ہے کہ حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا کی شادی کے موقع پر حضور ﷺ تشریف لائے تو کچھ بچیوں نے دف بجا کر شہدائے بدر کی شجاعت کے اشعار پڑھے۔ اس حدیث کے تحت امام بدر الدین محمود عینی فرماتے ہیں، اس حدیث سے حاصل ہونے والے فوائد میں سے یہ بھی ہے کہ دف بجانا اور جائز گانے کے ذریعے نکاح کا اعلان کرنا جائز ہے تا کہ نکاح اور زنا میں فرق ہو جائے کیونکہ زنا خفیہ ہوتا ہے۔

مرقاۃ میں ہے کہ وہ لڑکیاں حدِ شہوت کو نہ پہنچی تھیں اور انکے دف میں گھنگرو نہ تھے۔ یہ حدیث نکاح کے اعلان کی غرض سے اور ولیمہ کے وقت دف بجانے کی دلیل ہے۔ بعض لوگوں نے ختنہ، عیدین، سفر سے آمد اور احباب کی خوشی کے اجتماع کو بھی اسی سے لاحق کیا ہے لیکن یہاں وہ دف مراد ہے جو اگلوں کے زمانہ میں ہوتا تھا اور ایسا دف جس میں گھنگرو ہوں وہ بالاتفاق ناجائز ہونا چاہیے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ مروجہ گانے بجانے کو ناجائز و حرام قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے، ''اور کچھ لوگ کھیل (تماشہ) کی باتیں خریدتے ہیں تا کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں بے سمجھے، اور اسے ہنسی (مذاق) بنالیں، انکے لیے ذلت کا عذاب ہے''۔ (لقمٰن: ۶، کنز الایمان)

حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، امام حسن بصری، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، مکحول وغیرہم ائمہ صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اس آیت کریمہ میں ''لھو الحدیث'' (کھیل تماشہ کی بات) کی تفسیر گانے بجانے سے فرمائی ہے۔

ابو الصہباء کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، ''کھیل کی بات سے مراد گانا ہے اس خدا کی قسم جسکے سوا کوئی معبود نہیں''۔ آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔

بلکہ خود حدیث پاک میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے، گانے والی عورتوں کو سکھانا اور انکی خرید و فروخت کرنا جائز نہیں اور انکی قیمت حرام ہے۔ ایسے ہی کاموں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں تا کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے دور کریں۔ یہ حدیث امام بغوی نے ابو امامہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔

امام اہلسنت قرآن حکیم سے دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس لعین سے فرمایا، ''دور ہو، تو ان میں سے جو تیری پیروی کرے گا تو بیشک سب کا بدلہ جہنم ہے بھرپور سزا، اور ڈگا دے (یعنی پھسلا دے) ان میں سے جس پر تو قدرت پائے اپنی آواز سے''۔ (بنی اسرائیل)

امام مجاہد نے جو سلطان المفسرین عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے جلیل و بزرگ شاگردوں میں سے ہیں، اس آیت میں ''شیطان کی آواز'' کی تفسیر گانے بجانے اور مزامیر سے کی ہے۔ (ہادی الناس) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جو آواز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف منہ سے نکلے وہ شیطانی آواز ہے۔ (خزائن العرفان)

بعض علماء نے گانے بجانے کو ''زنا کا منتر'' قرار دیا ہے کیونکہ یہ نہ صرف خدا کی یاد سے غافل کرتا ہے بلکہ نفسانی جذبات پر ایسے اثر کرتا ہے جیسے آگ پر تیل ڈالا جائے۔

تعجب تو یہ ہے کہ بعض کلمہ گو مسلمان بھی غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی اسے ''روح کی غذا'' قرار دیتے ہیں حالانکہ گانے بجانے کی مذمت میں قرآن پاک کی مذکورہ آیات کے علاوہ متعدد احادیث مبارکہ بھی موجود ہیں۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

۱۔ رسول معظم ﷺ کا ارشاد ہے، گانا دل میں ایسے نفاق پیدا کرتا ہے جیسے پانی کھیتی کو پروان چڑھاتا ہے۔ (بیہقی، مشکوٰۃ)

۲۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، جو گانے والی لونڈی کی مجلس میں اسکا گانا سنے گا قیامت کے دن اسکے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔ (احکام القرآن لابن العربی)

اُس دور میں لونڈیاں ہی گایا کرتی تھیں اور گانا سننے کے لیے انکے پاس جانا پڑتا تھا اسلیے حدیث پاک میں انکا ذکر ہوا جبکہ موجودہ دور میں آڈیو، ویڈیو کیسیٹ کے ذریعے یہ برائی گھر گھر پھیل رہی ہے لہٰذا یہ حدیث مبارکہ ان سب لوگوں کے لیے باعثِ عبرت ہے جو کسی بھی ذریعے سے گانے سنتے ہیں۔ نیز جب گانا سننے والے کے لیے یہ عذاب ہے تو گانے والے کس قدر عذاب کے مستحق ہونگے؟ العیاذ باللہ تعالیٰ

۳۔ رحمتِ عالم ﷺ کا ارشاد ہے، بیشک اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا اور موسیقی کے آلات حرام فرما دیے نیز ہر نشہ آور چیز کو بھی حرام فرما دیا۔ (بیہقی، مشکوٰۃ)

۴۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میری امت کے کچھ لوگ ہونگے جو زنا، ریشم، شراب اور گانے بجانے کو حلال سمجھیں گے (یعنی جائز کاموں کی طرح انہیں اختیار کریں گے)۔ (بخاری)

موسیقی کے آلات حرام فرمادیے نیز ہر نشہ آور چیز کو بھی حرام فرمادیا۔ (بیہقی، مشکوٰۃ)

۴۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، میری امت کے کچھ لوگ ہونگے جو زنا، ریشم، شراب اور گانے بجانے کو حلال سمجھیں گے (یعنی جائز کاموں کی طرح انہیں اختیار کریں گے)۔ (بخاری)

۵۔ حضور پُرنور ﷺ کا ارشاد ہے، میری امت کے کچھ لوگ شراب کو اسکا نام بدل کر پئیں گے اور معازف و مزامیر (آلات موسیقی) کے ساتھ گانے سنیں گے۔ اللہ انکو زمین میں دھنسا دے گا اور بعض کی صورتیں مسخ کر کے بندر اور سؤر بنا دے گا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۶۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، جب گانے والی عورتیں اور گانے بجانے کے آلات عام ہو جائیں اور کثرت سے شراب پی جائے اور بعد میں آنے والے اگلے لوگوں پر لعنت کریں اسوقت تم سرخ ہوا، زلزلے، زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھر برسنے کا تیز ان نشانیوں کا انتظار کرنا جو لگاتار ظاہر ہونگی جیسے ہار کا دھاگہ توڑ دیا جائے تو اسکے دانے مسلسل گر رہے ہوں۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

۷۔ نورِ مجسم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، مجھے میرے رب نے باجوں اور مزامیر یعنی موسیقی کے آلات اور بتوں اور صلیبوں اور جاہلیت کی چیزیں مٹانے کا حکم دیا ہے۔ (مسند احمد، مشکوٰۃ)

۸۔ غیب بتانے والے آقا ﷺ نے فرمایا، اس امت کے آخر میں ایسے لوگ آئیں گے جو ایک شب شراب نوشی اور گانے بجانے میں مشغول ہونگے کہ اچانک ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوگا اور انہیں بندر اور خنزیر بنا دیا جائے گا۔ عرض کی گئی، کیا وہ مسلمان ہونگے؟ فرمایا، ہاں وہ کلمہ گو اور روزہ رکھنے والے ہونگے لیکن وہ آلاتِ موسیقی اور گانے والی عورتوں کے عادی ہو چکے ہونگے۔ (ابن حبان، طبرانی)

آپ خود فیصلہ کر لیجیے کہ گانا سننا روح کی غذا ہے یا اللہ تعالیٰ کے عذاب اور آقا و مولیٰ ﷺ کی ناراضگی کا باعث ہے؟ اب آپ قرآن سے پوچھیے کہ روح کی غذا کیا ہے؟ جواب ملے گا: ''جب ان (ایمان والوں) پر اسکی آیتیں پڑھی جائیں تو انکا ایمان ترقی پائے''۔ (الانفال:۲)

دوسری آیت ملاحظہ فرمائیے، ''وہ جو ایمان لائے اور انکے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں، سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے''۔ (الرعد:۲۸، کنزالایمان)

معلوم ہوا کہ مومنوں کے لیے قرآن کریم کی تلاوت روح کی غذا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر روح کی غذا ہے، چونکہ رسول کریم ﷺ کا ذکر بھی ذکرِ الٰہی ہے اسلیے وہ بھی روح کی غذا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ''بیشک اللہ نے تمہارے لیے ذکر نازل فرمایا، ایک ایسا رسول جو تم پر اللہ کی روشن آیتیں تلاوت کرتا ہے''۔ (الطلاق:۱۰)

یہاں ذکر سے مراد رسول کریم ﷺ ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

قاضی عیاض مالکی نے کتاب الشفا جلد اول میں یہ حدیث قدسی نقل فرمائی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ''میں نے ایمان کا مکمل ہونا اپنے ذکر کے ساتھ تمہارا ذکر کرنے پر موقوف کر دیا ہے اور میں نے تمہارے ذکر کو اپنا ذکر بنا دیا ہے پس جس نے تمہارا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا''۔

پس ثابت ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے حبیبِ لبیب ﷺ کا ذکر اور قرآن حکیم کی تلاوت ایمان والوں کے لیے دلوں کا سکون اور روح کی غذا ہیں۔ غموں کا دور ہونا اور گناہوں سے پاک ہونا بھی روحانی نشوونما کا اہم ذریعہ ہے اس لحاظ سے یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ درود وسلام بھی روح کی غذا ہے۔ آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں جب ایک صحابی نے عرض کیا کہ میں تمام وقت درود شریف پڑھوں گا تو آقا کریم ﷺ نے فرمایا، پھر تو یہ تمہارے تمام غموں کو دور کردے گا اور تمہارے گناہ مٹا دے گا۔

(جامع ترمذی)

☆☆☆☆☆

☆شوہر و بیوی کے مابین اختلافات☆

سوال: ہمارے معاشرے میں شوہر و بیوی کے درمیان نااتفاقی ولڑائی عام سی بات ہوگئی ہے اس کا کیا سبب ہے؟ اس مسئلہ کے حل کے بارے میں اسلامی تعلیمات ارشاد فرمایئے۔

جواب: شوہر و بیوی کے مابین لڑائی جھگڑے یا نااتفاقی کا ایک بڑا سبب علم دین سے ناواقفیت اور دین سے دوری ہے۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے شوہر و بیوی کے علیحدہ علیحدہ حقوق بیان فرمادیے ہیں اس مسئلہ کا واحد حل یہ ہے دونوں محبت و احترام سے ایک دوسرے کے حقوق ادا کرتے رہیں۔ اس موضوع پر مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد وخلیفہ صدرالشریعہ علامہ مولانا امجد علی قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

اس نااتفاقی کا بڑا سبب یہ ہے کہ شوہر و بیوی دونوں ایک دوسرے کے حقوق کا لحاظ نہیں رکھتے اور باہم رواداری سے کام نہیں لیتے۔ مرد چاہتا ہے کہ عورت کو لونڈی سے بدتر کر کے رکھے اور عورت چاہتی ہے کہ مرد میرا غلام رہے، جو میں چاہوں وہ ہو، چاہے کچھ ہو جائے مگر میری بات میں فرق نہ آئے۔ جب ایسے خیالات فاسدہ طرفین میں پیدا ہو گئے تو کیونکر نبھ سکے گی؟ دن رات کی لڑائی اور ہر ایک کے اخلاق وعادات میں برائی اور گھر کی بربادی اسی کا نتیجہ ہے۔ قرآن مجید میں جس طرح یہ حکم آیا ہے کہ ''مرد عورتوں پر حاکم ونگراں ہیں''۔ اس سے مردوں کی بڑائی ظاہر ہوتی ہے اسی طرح یہ بھی فرمایا گیا ہے ''عورتوں کے ساتھ اچھی معاشرت کرو''۔..........

مرد کو یہ دیکھنا چاہیے کہ اسکے ذمہ عورت کے کیا حقوق ہیں، وہ انہیں ادا کرے اور اسی طرح عورت شوہر کے حقوق دیکھے اور پورے کرے۔ یہ نہ ہو کہ ہر ایک اپنے حقوق کا مطالبہ کرے اور دوسرے کے حقوق سے سروکار نہ رکھے اور یہی فساد کی جڑ ہے۔ یہ بہت ضروری ہے کہ ہر ایک دوسرے کی بیجا باتوں کو تحمل سے برداشت کرے اور اگر کسی موقع پر دوسری طرف سے زیادتی ہو تو یہ فساد پر آمادہ نہ ہو کیونکہ ایسی جگہ ضد پیدا ہو جاتی ہے اور سلجھی ہوئی بات الجھ جاتی ہے۔

(بہارشریعت حصہ ہفتم صفحہ ٦٦)

اب شوہر و بیوی کے حقوق کے بارے میں ہم قرآن کریم سے راہنمائی لیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

''مرد افسر (یعنی حاکم) ہیں عورتوں پر، اسلیے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اسلیے کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے، تو نیک بخت عورتیں ادب والیاں ہیں، خاوند کے پیچھے حفاظت رکھتی ہیں (اپنی عفت اور شوہر کے گھر، مال اور راز کی)، جس طرح اللہ نے حفاظت کا حکم دیا، اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ اور ان سے الگ سوؤ اور انہیں (ہلکی ضرب) مارو پھر اگر وہ تمہارے حکم میں آجائیں تو ان پر زیادتی کی کوئی راہ نہ چاہو، بیشک اللہ بلند (اور) بڑا ہے''۔

(النساء: ٣٤، کنزالایمان)

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو کسی خطا پر ایک طمانچہ مارا، انکے والد انہیں سید عالم ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور انکے شوہر کی شکایت کی، اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا گیا ہے اور عورتوں کو انکی اطاعت لازم ہے اور مردوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ عورتوں کی تمام جائز ضروریات کا خیال رکھیں، انکی حفاظت ونگہبانی کریں نیز انکی اصلاح و دینی تربیت کا بھی خاص اہتمام کریں۔

چونکہ مرد کو گھر کی ریاست میں حاکم کا درجہ دیا گیا ہے اسلیے عورت پر لازم ہے کہ وہ اس حاکم کی اطاعت کرے ورنہ گھر کی سلطنت کا امن وسکون تباہ وبرباد ہو جائے گا البتہ عورت کسی خلاف شرع کام میں شوہر کی اطاعت کی پابند نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر جو فضیلت دی اسکے متعلق صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

مردوں کو عورتوں پر عقل ودانائی، (جسمانی قوت اور) جہاد، نبوت وخلافت، امامت واذان وخطبہ، جماعت وجمعہ وتکبیر وتشریق اور حدود وقصاص کی شہادت کے اور ورثہ میں دوگنے حصے اور تعصیب اور نکاح وطلاق کے مالک ہونے اور نسبوں کے انکی طرف نسبت کیے جانے اور نماز روزہ کے کامل طور پر قابل ہونے کے ساتھ (کیونکہ انکے لیے کوئی زمانہ ایسا نہیں ہے کہ وہ نماز روزہ کے قابل نہ ہوں) اور داڑھیوں اور عماموں کے ساتھ فضیلت دی۔ (تفسیر خزائن العرفان)

مذکورہ بالا آیت کریمہ کی روشنی میں علامہ مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: عورت کے ذمہ یہ تین فرائض ہیں جو قرآن کریم نے اس پر عائد کیے۔

اول: اپنے شوہر کی اطاعت گذار اور وفادار رہو،

دوم: سلیقہ شعار ہو کہ شوہر کے مال ودولت کو برباد نہ کرے،

سوم: عفت مآب ہو تا کہ اپنی اور اپنے شوہر کی عزت وناموس پر آنچ نہ آنے دے۔

(سنی بہشتی زیور حصہ دوم ص ٢٠٩)

مذکورہ آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نافرمانی کی صورت میں شوہر کو چاہیے کہ پہلے بیوی کو پیار سے سمجھائے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کو پسند نہیں ہے اور

قرآن وحدیث کی رُو سے تم پر میری اطاعت لازم ہے چنانچہ میں کوئی خلافِ شرع کام نہیں کرنا چاہیے۔
اگر سمجھانے سے بات نہ بنے تو شوہر کو چاہیے کہ اپنا بستر علیحدہ کرلے مگر بیوی کو ہرگز ہرگز گھر سے نہ نکالے۔ شوہر کا یوں ناراضگی ظاہر کرنا بھی اصلاح کا حکمت بھرا طریقہ ہے، اگر بیوی پھر بھی ضد اور نافرمانی سے باز نہ آئے اور بد زبانی پر اتر آئے تو شوہر کو اختیار ہے کہ بیوی کو ہلکی مار مارے مگر چہرے پر نہ مارے۔
احادیث مبارکہ کی روشنی میں فقہاء کرام نے مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر بیوی کی اصلاح کے لیے اسے معمولی طور پر مارنا جائز فرمایا ہے۔
۱۔ جب شوہر اپنے لیے آرائش و زینت کا حکم دے اور بیوی انکار کر دے۔
۲۔ جب شوہر صحبت کے لیے بلائے اور وہ عذرِ شرعی کے بغیر منع کر دے۔
۳۔ جب عورت نماز نہ پڑھے اور حیض و جنابت کا غسل کرنے سے غافل رہے۔
۴۔ جب عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نکلتی ہو۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

ازدواجی تعلقات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ دونوں کو ایک دوسرے کی حاجت ہوتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے لہٰذا جو اس حقیقت کو ذہن نشین رکھے گا، وہ مارنے کا ہرگز ارادہ نہ کرے گا۔ یہ تمام احکامات اسلیے دیے گئے ہیں کہ اختلاف و جھگڑے کی صورت میں معاملہ فوراً طلاق تک نہ پہنچے بلکہ ابتدا میں ہی اسے پیار و محبت کے ذریعے یا ناراضگی ظاہر کر کے ختم کیا جائے۔ دراصل شوہر و بیوی کے مابین تعلق کی بنیاد ہی الفت و محبت پر رکھی گئی ہے۔
ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ''اور اسکی (قدرت کی) نشانیوں سے ہے کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے کہ ان سے آرام پاؤ اور تمہارے آپس میں محبت اور رحمت رکھی، بیشک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کے لیے'' ۔ (الروم:۲۱، کنز الایمان)
اس آیت کے تحت مفتی محمد خلیل خاں قادری فرماتے ہیں،
''آیت کریمہ میں تین باتیں بیان فرمائی گئیں جو خانگی نظامِ زندگی کے لیے سنگِ بنیاد اور بطورِ اصل کے بیان ہوئی ہیں اور جن کا لحاظ شوہر و بیوی دونوں کو یکساں رکھنا ضروری ہے۔
اول: مردوں کو بتایا گیا ہے کہ تمہاری بیویاں تمہاری ہی ہم جنس مخلوق ہیں، تمہاری جیسی خواہشات، جذبات اور احساسات ان میں بھی موجود ہیں، بے روح مخلوق اور بے حس جسم نہیں۔
دوم: ان کی پیدائش کا منشا یہ بھی ہے کہ وہ تمہارے لیے سرمایہ راحت و تسکین ہیں، تمہارے لیے سکونِ قلب کا باعث ہیں، تمہارے درد کا درماں اور تمہارے غم کا مداوا ہیں، تمہارے لیے پیدا کی گئی ہیں تاکہ تمہارا دل ان سے لگے، تمہارا جی ان سے بہلے۔
سوم: تمہارے اور انکے تعلقات کی بنیاد ہی باہمی محبت، اخلاص اور ہمدردی پر ہونی چاہیے۔

(سنی بہشتی زیور، حصہ دوم صفحہ ۲۰۷)

انسان کو زندگی کا سفر نہایت دشوار اور پیچیدہ راستوں میں طے کرنا پڑتا ہے، اس سفر میں خوشیوں کی روشنیاں بھی ہیں اور غموں کے اندھیرے بھی، کامیابیوں کی امیدیں بھی ہیں اور ناکامیوں کی وحشتیں بھی۔ بلکہ اکثر و بیشتر زندگی مصائب و آلام میں گھری رہتی ہے۔ ایسے مشکل حالات میں انسان کو اپنے ایک ہم جنس رفیقِ سفر کی طلب ہوتی ہے جو اسکے پست حوصلوں کو بلند کرے، جو اسکے دکھ سکھ میں شریک ہو اور جو اسکے لیے سکونِ قلب کا باعث ہو۔ رب کریم کا احسان ہے کہ اس نے انسان کو اسکی جنس سے بیوی کی صورت میں ایک رفیقِ سفر عطا کیا اور اسکا مقصدِ تخلیق انسان کے لیے باعثِ تسکین ہونا بیان فرمایا۔ نیز انکے درمیان محبت و رحمت کے ایسے گرانقدر جذبات پیدا فرمائے کہ دونوں ایک دوسرے کا پردہ بن گئے جو ہر عیب کو چھپالیتا ہے اور زیب و زینت کا باعث بھی ہے۔ جب اخلاص و محبت سے تعلق قائم ہو جائے تو پھر علیحدگی تو درکنار اس کا تصور ہی اذیت و پریشانی کا باعث بن جاتا ہے۔
مذکورہ آیت مبارکہ سے یہ بات بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ میاں بیوی کی گھریلو زندگی پُرسکون اور خوشگوار ہونی چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر عورت کی تخلیق کا مقصد پورا نہیں ہوتا کیونکہ اسے تو رب تعالیٰ نے سکون و آرام کا باعث قرار دیا ہے۔
ممکن ہے کہ اس لڑائی جھگڑے والی صورتحال پیدا کرنے میں عورت کی بجائے مرد یا پھر دونوں ہی قصوروار ہوں۔ اس مسئلہ کا واحد حل یہی ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق کو بھی سمجھیں اور اپنے فرائض کو بھی، اور پھر ہر ایک اخلاص کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کی بھرپور کوشش کرے۔

☆شوہر و بیوی کے حقوق و فرائض ☆

سوال: شریعتِ مطہرہ میں شوہر اور بیوی کے جو حقوق اور فرائض بیان ہوئے ہیں وہ ارشاد فرمایئے۔

جواب: کچھ اہم باتیں پچھلے سوال کے جواب میں تحریر کی جا چکی ہیں اس مضمون کو ذہن میں رکھتے ہوئے پہلے وہ احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمایئے جن میں شوہر کے حقوق اور بیوی کی ذمہ داریاں بیان ہوئی ہیں۔

۱۔ آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی مخلوق کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے قسم ہے اس کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! عورت اپنے پروردگار کا حق ادا نہ کرے گی جب تک شوہر کے تمام حقوق ادا نہ کرے۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

۲۔ نورِ مجسم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، جو عورت اس حال میں انتقال کرے کہ اس کا شوہر اس سے راضی ہو تو وہ جنت میں جائے گی۔ (ترمذی)

۳۔ حبیبِ کبریا ﷺ نے فرمایا، عورت پر اسکے شوہر کا عظیم حق ہے اتنا عظیم حق کہ اگر شوہر کا تمام جسم زخمی ہو جس سے پیپ اور خون بہتا ہو اور عورت اسکے زخمی جسم کو زبان سے چاٹے تب بھی شوہر کا حق ادا نہ ہوگا۔ (مسند احمد)

۴۔ حضورِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے، جب عورت پانچوں نمازیں پابندی سے ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے سے چاہے، جنت میں داخل ہو جائے۔ (ابونعیم، مشکوٰۃ)

۵۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، وہ عورت سب سے بہتر ہے جسے اسکا شوہر دیکھے تو خوش ہو جائے، جب اسے حکم دے تو وہ اطاعت کرے اور اسکے جان و مال کے حوالے سے جو باتیں اسکے شوہر کو ناپسند ہوں، انکی مخالفت نہ کرے۔ (نسائی)

۶۔ نورِ مجسم ﷺ کا ارشاد ہے، جب شوہر اپنی بیوی کو بستر پر بلائے تو وہ انکار کر دے اور اسکا شوہر ناراضگی میں رات گذارے تو صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے ہیں۔ (بخاری)

۷۔ مختارِ کل ختم الرسل ﷺ نے فرمایا، عورت پر سب لوگوں سے زیادہ حق اسکے شوہر کا ہے جبکہ مرد پر سب سے زیادہ حق اسکی ماں کا ہے۔ (بہارِ شریعت بحوالہ حاکم)

۸۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، شوہر کا حق عورت پر یہ ہے کہ اپنے نفس کو اس سے نہ روکے اور سوائے فرض کے کسی دن بھی اسکی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے، اگر بغیر اجازت روزہ رکھا تو گناہگار ہوئی، بغیر اجازت اسکا کوئی عمل مقبول نہیں اگر عورت نے کر لیا تو شوہر کو ثواب ہے اور عورت کو گناہ۔ نیز بغیر اجازت شوہر کے گھر سے نہ جائے اگر ایسا کیا تو جب تک توبہ نہ کرے اللہ اور فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔ عرض کی گئی، اگر شوہر ظالم ہو؟ ارشاد فرمایا، اگرچہ ظالم ہو (پھر بھی بغیر اجازت گھر سے نہ جائے)۔
(بہارِ شریعت بحوالہ ابن عساکر)

۹۔ احمدِ مختار ﷺ نے فرمایا، اے عورتو! خدا سے ڈرو اور شوہر کی رضامندی کی تلاش میں رہو کیونکہ عورت کو اگر معلوم ہوتا، کہ شوہر کا کیا حق ہے تو جب تک شوہر کھانا کھاتا رہتا یہ اسکے پاس کھڑی رہتی۔ (بہارِ شریعت بحوالہ ابونعیم)

۱۰۔ آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، عورت پر شوہر کا حق یہ ہے کہ اسکے بستر کو نہ چھوڑے اور اسکی قسم کو سچا کر دے اور بغیر اسکی اجازت کے باہر نہ جائے اور ایسے شخص کو مکان میں نہ آنے دے جس کا آنا شوہر کو پسند نہ ہو۔ (بہارِ شریعت بحوالہ طبرانی)

پورا کلمہ طیبہ سکھائے۔ جب بچے کو سمجھ آنے لگے تو ادب سکھائے یعنی کھانے پینے، ہنسنے بولنے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، حیا لحاظ، بزرگوں کی تعظیم، ماں باپ اور استاد کے آداب بتائے۔

قرآن پاک پڑھوائے اور بعد ختم قرآن ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے۔ عقائد اسلام و سنت سکھائے، اس وقت کا بتایا پتھر پر لکیر ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ کی محبت و تعظیم انکے دل میں ڈالے کہ اصل ایمان و عین اسلام ہے۔ حضور علیہ السلام کے آل و اصحاب و اولیاء و علماء کی محبت و عظمت کی تعلیم کرے کہ ایمان کا زیور بلکہ بقائے ایمان کا باعث ہے۔

سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کر دے اور علم دین سکھائے، خصوصاً وضو، غسل، نماز و روزہ کے مسائل، خوبیوں کے فضائل اور برائیوں کے نقصانات سمجھائے۔ پڑھانے سکھانے میں نرمی کا خیال رکھے، ضرورت ہو تو آنکھیں دکھانے اور تنبیہ کرنے پر اکتفا کرے۔ ہرگز کوستا نہ دے کہ اس سے زیادہ فساد کا اندیشہ ہے۔ اگر مارے تو منہ پر نہ مارے۔ اکثر اوقات ڈانٹ ڈپٹ اور ڈرانے سے کام چلائے، چھڑی وغیرہ صرف رعب کے لیے سامنے رکھے۔

زمانہ تعلیم میں کچھ وقت کھیلنے کا بھی دے مگر ہرگز ہرگز بری صحبت میں نہ بیٹھنے دے کہ یار بد (برا دوست) مار بد (برے سانپ) سے بدتر ہے۔ فحش باتوں، کتابوں اور برے ماحول سے بچائے کہ نرم لکڑی جدھر جھکائیے جھک جاتی ہے۔ جب دس برس کا ہو مار کر نماز پڑھائے، اس عمر سے اپنے یا کسی اور کے ساتھ نہ سلائے، جدا پلنگ پر سلائے۔

جب جوان ہو شادی کر دے اور شادی میں قوم و دین و سیرت و صورت کی رعایت ملحوظ رکھے۔ اب کوئی ایسا کام کہنا ہو جس میں نافرمانی کا احتمال ہو وہ اسے حکم کے طور پر نہ کہے بلکہ نرمی و شفقت سے بطور مشورہ کہے نیز اسے میراث سے محروم نہ کرے۔

یہ احکام لڑکے لڑکیوں کے لیے عام تھے، صرف لڑکوں کے چند حقوق یہ ہیں کہ انہیں لکھنا پڑھنا سکھائے، سپہ گری سکھائے، سورہ مائدہ کی تعلیم دے اور اعلان کے ساتھ ختنہ کرے۔ لڑکیوں کے چند حقوق یہ ہیں کہ انکی پیدائش کو برا نہ جانے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھے، انہیں سینا پرونا، کھانا پکانا سکھائے، سورہ نور کی تعلیم دے، کچھ دینے میں بیٹوں اور بیٹیوں میں پورا انصاف کرے، بیٹوں سے زیادہ انکی دلجوئی اور خاطرداری کرے کہ انکا دل بہت چھوٹا ہوتا ہے، جو چیز دے پہلے انہیں دے کر پھر بیٹوں کو دے، نو برس کی عمر سے نہ اپنے پاس سلائے نہ بھائی وغیرہ کے پاس سونے دے، اس عمر سے خاص نگہداشت رکھے۔

شادی بارات میں جہاں ناچ گانا ہو انہیں ہرگز نہ جانے دے اگرچہ خاص اپنے بھائی کے گھر ہو کیونکہ گانا سخت سنگین جادو ہے اور ان نازک شیشیوں کو تھوڑی سی ٹھیس بھی بہت ہے۔ انکی بیگانوں کے گھروں میں جانے کی مطلقاً بندش کرے بلکہ اپنے گھر کو انکے لیے قید خانہ کی مثل کر دے۔ بالا خانوں پر نہ رہنے دے، اپنے گھر میں انہیں لباس و زیور سے آراستہ کرے کہ پیام رغبت سے آئیں، جب جوڑ ملے تو نکاح میں دیر نہ کرے مگر ہرگز کسی فاسق و فاجر خصوصاً بدمذہب کے نکاح میں نہ دے۔ (مشعلۃ الارشاد، ملخصاً)

مذکورہ رسالے میں اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث مبارکہ کی روشنی میں اولاد کے اَسی 80 حقوق بیان فرمائے ہیں جن میں سے چیدہ چیدہ حقوق یہاں تحریر کیے گئے، تفصیل کے لیے مذکورہ رسالہ ملاحظہ فرمائیں۔ اب بچوں کی تربیت کے حوالے سے مزید چند باتیں پیش خدمت ہیں::

بچوں کو اس بات کی عادت ڈالیے کہ وہ ہمیشہ صاف ستھرے رہیں اور اپنے کام اپنے ہاتھ سے کریں۔ بچوں کو کاہلی اور آرام پرستی سے نفرت دلائیے اور اس بات کی سختی سے تاکید کیجیے کہ وہ کوئی کام آپ سے چھپا کر نہ کریں۔ جب وہ کوئی اچھا کام کریں تو تعریف کر کے یا انعام دے کر انکی حوصلہ افزائی کیجیے۔ دوسروں کے سامنے بچوں کو ڈانٹنے اور شرمندہ کرنے سے مکمل پرہیز کیجیے اس طرح بار بار ڈانٹنے اور ملامت کرنے سے وہ اسکے عادی ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی مناسب سختی بھی کرنی چاہیے۔ بے جا لاڈ پیار بچوں کو ضدی اور خودسر بنا دیتا ہے اس لیے بچوں کی تربیت میں میانہ روی کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔

آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمان ذیشان ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اسکے اعمال کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے مگر تین چیزوں کا ثواب اسے ہمیشہ ملتا رہتا ہے۔ اول: صدقہ جاریہ، دوم: وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے، اور سوم: وہ نیک اولاد جو اسکے لیے دعا کرتی رہے۔ (مسلم)

معلوم ہوا کہ نیک اولاد اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے لہٰذا اولاد کی دینی تربیت کرنے میں والدین کو کسی قسم کی غفلت نہیں کرنی چاہیے۔ ایک اور حدیث پاک میں ارشاد ہوا، "تم میں سے ہر ایک نگراں اور ذمہ دار ہے اور اس سے اسکی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حاکم نگراں ہے اس سے اسکی رعایا کے متعلق سوال ہوگا، ہر شخص اپنے گھر والوں کا نگراں ہے اس سے انکے بارے میں سوال ہوگا، ہر عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگراں ہے اس سے اسکے بارے میں پوچھا جائے گا"۔ (بخاری، مسلم)

اہل و عیال کی تعلیم و تربیت ایسا اہم فریضہ ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے صحابہ کرام کو نصیحت فرمائی، تم اپنے گھر والوں کی تربیت میں اپنی چھڑی ان سے نہ ہٹانا یعنی مناسب سختی کرتے رہنا۔ (احمد، طبرانی) نور مجسم ﷺ نے اولاد کو بے حیائی کے کاموں سے نہ روکنے والوں کے لیے یہ وعید سنائی کہ "تین اشخاص پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام فرما دی؛ شرابی، والدین کا نافرمان اور وہ بے حیا جو اپنے گھر میں بے حیائی کے کام ہونے دے۔ (احمد، نسائی)

ایک اور حدیث شریف میں اہل و عیال کی دینی تربیت کرنے والوں کے لیے جنت کی خوشخبری سنائی گئی۔ ارشاد ہوا،

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو کہتا ہے، اے میری بیوی! اے میرے بچو! تمہاری نماز؟ تمہارا روزہ؟ تمہاری زکوٰۃ؟ تمہارا مسکین؟ تمہارا یتیم؟ تمہارا پڑوسی؟ (یعنی وہ اپنے بیوی بچوں کو نماز، روزہ، زکوٰۃ کی ادائیگی کی طرف متوجہ کرتا ہے اور مسکین، یتیم اور پڑوسی کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے) امید ہے کہ رب کریم اسکے گھر والوں کو

اس نیک شخص کے ساتھ جنت میں جمع فرمائے گا''۔

(تفسیر روح البیان ج ۱۰ ص ۵۸)

اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے وہ ہیں جو اپنے اہل وعیال کی دینی تربیت کے لیے بھرپور کوششیں کرتے ہیں اور رب کریم سے انکے نیک ومتقی ہونے کی دعائیں بھی مانگتے رہتے ہیں ارشادِ باری تعالیٰ ہوا،

''اور وہ لوگ جو عرض کرتے ہیں، اے ہمارے رب! دے ہمیں ہماری بیبیوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک، اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا''۔ (الفرقان:۷۴)

☆حقوق العباد کا بیان☆

سوال: والدین کے حقوق اور دیگر حقوق العباد کے بارے میں بھی قرآن وحدیث کی روشنی میں راہنمائی فرمائیے۔

جواب: ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ''ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر اور اپنے باندی غلام سے (بھی اچھا سلوک کرو)''۔ (النساء:۳۶، کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں نہایت جامع انداز میں حقوق العباد کا ذکر کیا گیا ہے جس کی تفصیل بعد میں بیان کی جائے گی پہلے ہم والدین کے حقوق کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا گیا، ''ماں باپ سے اچھا سلوک کرو، اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہوں (یا اُف) نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا، اور ان کے لیے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے (یعنی ان سے تواضع اور محبت کا برتاؤ کر) اور عرض کر کہ اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم کر جیسا ان دونوں نے مجھے چھوٹے پن (یعنی بچپن) میں پالا''۔

(بنی اسرائیل:۲۳، ۲۴، ۲۵، کنزالایمان)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر حال میں والدین کے ساتھ حسنِ سلوک لازم ہے خصوصاً جب وہ عمر رسیدہ ہوں۔ یہ بھی حکم دیا گیا کہ انکے ساتھ بھلائی بھی کی جائے اور انکے لیے رحمت کی دعا بھی۔ اب والدین کے حقوق کے متعلق چند احادیث مبارکہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

آقا ومولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، وہ شخص ذلیل وخوار ہو جس نے ماں باپ دونوں کو یا ایک کو بڑھاپے میں پایا اور انکی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہوا۔ (مسلم)

بارگاہ نبوی میں کسی نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ ارشاد ہوا، وہ دونوں تیری جنت ودوزخ ہیں یعنی انکو راضی رکھنے سے جنت ملے گی اور انکی ناراضگی کا انجام دوزخ ہے۔ (ابن ماجہ)

نورِ مجسم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، جو اپنے والدین کو ایک بار محبت ومہربانی کی نگاہ سے دیکھے اللہ تعالیٰ اسکے بدلے ایک مقبول حج لکھے گا۔ عرض کی گئی، یارسول اللہ ﷺ! اگر کوئی روزانہ سو بار دیکھے پھر بھی یہ اجر ہے؟ فرمایا، ہاں! اللہ تعالیٰ بہت بڑا اور پاک ہے۔ (مشکوٰۃ)

ایک صحابی نے جہاد میں شرکت کے لیے آقا ومولیٰ ﷺ سے اجازت مانگی تو ارشاد ہوا، تم اپنے والدین کی خدمت کرو، جنت انہیں کے قدموں کے نیچے ہے۔ (نسائی، ابن ماجہ)

غیب بتانے والے آقا ﷺ کا فرمانِ ذیشان ہے، تم دوسروں کی عورتوں سے پرہیز کر کے پارسا ہو جاؤ، ایسا کرنے سے تمہاری عورتیں پارسا رہیں گی؛ تم اپنے والدین سے اچھا سلوک کرو، ایسا کرنے سے تمہاری اولاد تم سے اچھا سلوک کرے گی۔ (مستدرک للحاکم)

ایک صحابی نے بارگاہ اقدس میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! کیا میرے والدین کی وفات کے بعد مجھ پر انکے کوئی حقوق ہیں؟ فرمایا، ہاں! انکے لیے رحمت ومغفرت کی دعا کرنا، انکے کیے ہوئے وعدے پورے کرنا، انکے رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا اور انکے دوستوں کا احترام کرنا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

احمدِ مختار محبوبِ پروردگار ﷺ کا ارشاد ہے، جو اپنے ماں باپ یا کسی ایک کی قبر پر ہر جمعہ کو زیارت کے لیے حاضر ہو، اللہ تعالیٰ اسکے گناہ بخش دے گا اور وہ والدین کے ساتھ بھلائی کرنے والا لکھا جائے گا۔ (مشکوٰۃ)

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا، والدین کے انتقال کے بعد ان سے حسنِ سلوک یہ ہے کہ تم اپنی نماز کے ساتھ انکے (ایصالِ ثواب کے) لیے بھی نماز پڑھو اور اپنے روزوں کے ساتھ انکے (ایصالِ ثواب کے) لیے بھی روزے رکھو۔ (شرح الحقوق لطرح العقوق بحوالہ دار قطنی)

ایک حدیث پاک میں بڑے بھائی کے حق کے بارے میں فرمایا گیا، بڑے بھائی کا حق چھوٹے پر ایسا ہے جیسے باپ کا حق بیٹے پر۔ (مشکوٰۃ)

یونہی ایک شخص نے جس کی والدہ فوت ہو چکی تھی، قبولِ توبہ کے لیے بارگاہِ نبوی ﷺ میں عرض کی تو ارشاد ہوا، ''تو اپنی خالہ کے ساتھ حسنِ سلوک کر''۔ (ترمذی)

علماء فرماتے ہیں، باپ کے بعد دادا اور بڑے بھائی کا مرتبہ ہے اسی طرح بڑی بہن اور خالہ ماں کے قائم مقام ہیں۔ (بہار شریعت بحوالہ ردالمختار) اسی طرح ساس وسسر کو

بھی ماں باپ کی جگہ جان کر انکی تعظیم وخدمت کرنی چاہیے۔

رشتے داروں سے حسنِ سلوک کے متعلق بھی احادیث مبارکہ میں بہت زور دیا گیا ہے۔حضورﷺ کا ارشاد ہے، رشتے توڑنے والا جنت میں نہ جائے گا۔(بخاری، مسلم)

دوسری جگہ فرمایا گیا، جو یہ چاھے کہ اسکے رزق میں وسعت ہو اور اسکی عمر دراز ہو تو اسے چاہیے کہ وہ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرے۔(بخاری، مسلم)

آقا ومولیٰﷺ کا ایک اور ارشاد ہے، صلہ رحمی یہ نہیں کہ رشتے دار کے احسان کا بدلہ دیا جائے بلکہ صلہ رحمی یہ ہے کہ جب رشتہ دار تعلق توڑیں پھر بھی ان سے اچھا سلوک کیا جائے۔(بخاری)

اساتذہ کے حقوق کے متعلق ''شرح الحقوق لطرح العقوق'' میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

استاد کی ناشکری ونافرمانی باپ کی نافرمانی کی مثل ہے کیونکہ استاد باپ کا درجہ رکھتا ہے۔آقا ومولیٰﷺ کا ارشاد ہے، میں تمہارا باپ ہی ہوں کہ تم کو علم سکھاتا ہوں۔(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) بلکہ علماء نے فرمایا ہے کہ استاد کا درجہ والدین سے زیادہ ہے کیونکہ ان سے جسمانی زندگی وابستہ ہے اور استاد روحانی حیات کا سبب ہے۔

سید عالمﷺ کا فرمان ہے،''جس نے کسی بندے کو کتاب اللہ کی کوئی آیت سکھادی وہ اس کا آقا ہو گیا''۔(طبرانی) مولیٰ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں،''جس نے مجھے ایک حرف پڑھایا تو اس نے مجھے اپنا بندہ بنالیا، وہ اگر چاھے تو بیچے اور چاھے تو آزاد کرے''۔

نبی کریمﷺ نے استاد کے سامنے تواضع وانکساری اپنانے کی تلقین فرمائی ہے۔ارشاد ہوا،''علم حاصل کرو اور علم کے لیے سکون ووقار سیکھو اور جس سے تم علم حاصل کرو اسکے سامنے تواضع اور عاجزی اختیار کرو''۔(طبرانی فی الاوسط)

دینِ اسلام میں بوڑھے اور ضعیف لوگوں کے حقوق کے بارے میں خاص طور پر نصیحت کی گئی ہے۔

آقا ومولیٰﷺ نے فرمایا، تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کے حق کو منافق ہی ہلکا جانے گا۔اول: بوڑھا مسلمان، دوم: عالمِ باعمل، سوم: عادل حاکم۔(ترمذی، طبرانی)

رحمتِ عالمﷺ کا ارشاد ہے، سفید بالوں والے یعنی بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا اللہ تعالیٰ کی تعظیم سے ہے۔(ابوداؤد)

بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر شفقت اسلامی اخلاق کے اہم اصول ہیں۔نبی کریمﷺ نے فرمایا، وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت ومہربانی نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے۔(احمد، ترمذی)

آقا ومولیٰﷺ نے معاشرے کے کمزور افراد مثلاً بیوہ، یتیم ومسکین کی خبرگیری اور مدد کرنے کی بیحد تلقین فرمائی ہے۔

ارشاد ہوا، بیوہ اور مسکین کے لیے امدادی کوشش کرنے والا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔(بخاری، مسلم)

حضورِ اکرمﷺ نے فرمایا، میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہونگے جیسے دو انگلیاں باہم قریب ہوتی ہیں۔(بخاری)

ایک اور ارشاد گرامی ہے،''جو کسی یتیم کی پرورش کرے، اللہ تعالیٰ اسکے لیے جنت لازم فرمادیتا ہے بشرطیکہ وہ کوئی ناقابلِ بخشش کام نہ کرے''۔(مشکوٰۃ)

پڑوسی کے حقوق کے متعلق احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں۔

ارشاد ہوا،''وہ جنت میں نہیں جائے گا جس کے شر سے اسکے پڑوسی محفوظ نہ ہوں''۔(مسلم)

یہ بھی فرمایا،''وہ کامل مومن نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اسکا پڑوسی بھوکا رہے''۔(مشکوٰۃ)

یہ بھی ارشاد ہوا،''اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کا خیرخواہ ہو''۔(ترمذی)

مہمان کے حقوق کے بارے میں آقا ومولیٰﷺ کا ارشاد ہے، جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ اپنے مہمان کا احترام کرے۔اسکی مہمانی ایک دن اور ایک رات ہے اور اسکی دعوت تین دن ہے اور اسکے بعد وہ صدقہ ہے۔مہمان کو یہ جائز نہیں کہ اسکے پاس ٹھہرا رہے یہانتک کہ اسے تنگ کردے۔(بخاری، مسلم)

ایک مسلمان پر دوسرے مسلمانوں کے حقوق کے متعلق آقائے دوجہاںﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے،

''مسلمان پر مسلمان کے چھ (6) حقوق ہیں۔جب اس سے ملو تو سلام کرو، جب وہ دعوت دے تو قبول کرو، جب تم سے خیرخواہی چاھے تو بھلائی کرو، جب چھینکے اور الحمدللہ کہے تو یَرْحَمُکَ الله کہو، جب وہ بیمار ہو تو عیادت کرو اور جب اسکا انتقال ہو تو جنازے میں جاؤ''۔(مسلم) ایک اور ارشاد گرامی ہے،''اللہ عزَّ وجَلَّ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا''۔(بخاری)

آخر میں وہ جامع حدیث پاک ملاحظہ کیجیے جس پر عمل کرنے سے مثالی فلاحی معاشرے کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکتا ہے۔

آقا ومولیٰﷺ نے فرمایا،''تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اپنے (دینی) بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔(بخاری، مسلم)

☆☆☆☆☆

☆طلاق کی اقسام اور مسائل☆

سوال: طلاق کی کتنی قسمیں ہیں؟ چند ایسے معروف جملے بتائیے جن سے طلاقِ بائن واقع ہوجاتی ہے۔ نیز طلاق کے متعلق ضروری مسائل بیان کیجیے۔

جواب: طلاق کے لفظی معنی چھوڑ دینے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں طلاق سے مراد شوہر و بیوی کے درمیان جدائی یا علیحدگی واقع ہونا ہے۔ جب شوہر و بیوی ایک دوسرے کے لیے آرام وسکون کی بجائے اذیت و پریشانی بن جائیں، مصالحت کی تمام کوششیں ناکام ہوجائیں اور ازدواجی تعلق برقرار رہنے کی کوئی صورت ممکن نہ رہے تو جدائی کے لیے اسلام نے طلاق کا قانون بیان کیا جسے سخت مجبوری کے عالم میں استعمال کیا جائے۔

یہ ایسا جائز فعل ہے جو ربِ کریم کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز کاموں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام طلاق دینا ہے''۔ (ابوداؤد)

شریعت مطہرہ نے جہاں مرد کو یہ احساس دلایا کہ شرعی وجہ کے بغیر طلاق دینا مکروہ اور ممنوع ہے وہیں عورت کو بھی خبردار کیا کہ وہ بغیر اشد مجبوری کے ہرگز طلاق نہ مانگے ورنہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، ''جو عورت کسی شدید مجبوری کے بغیر اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے گی اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے''۔ (ترمذی)

کم نصیبی سے ہمارے معاشرے میں جہالت کے باعث یہ وبا پھیل رہی ہے کہ شوہر و بیوی میں جہاں جھگڑا ہو، غصے کی حالت میں صبر و درگذر کے بجائے فوراً طلاق دے دیتے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ بیک وقت تین طلاقیں دیتے ہیں اور پھر غصہ ٹھنڈا ہونے پر ساری عمر پچھتاتے ہیں یا پھر پہلے تو حیلے بہانے تراشتے ہیں کہ ''غصہ میں طلاق دی''۔

غور کیجیے کیا پیار محبت میں بھی کوئی طلاق دیتا ہے؟ ظاہر ہے کہ طلاق تو عموماً غصے ہی میں دی جاتی ہے اور طلاق بہرحال واقع ہوجاتی ہے۔ پھر یہ ایسے ایمان فروشوں کو تلاش کرتے ہیں جو نہ کسی امام کو مانتے ہیں اور نہ ہی صحابہ کرام کو۔ یہ بدمذہب غیر مقلد فتویٰ دیتے ہیں کہ تین طلاقیں ایک ہی طلاق ہوتی ہے۔ یوں بعض نفس پرست انکے فریب میں آکر تمام عمر حرام کاری میں مبتلا رہتے ہیں۔ حالانکہ بیک وقت تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔ (اس پر آئندہ صفحات میں دلائل بیان کیے جائیں گے۔)

طلاق کی اقسام:

طلاق دینے کے لیے دو قسم کے الفاظ ادا کیے جاتے ہیں۔

(۱) صریح، (۲) کنایہ۔

طلاق صریح وہ ہے جس میں طلاق کا لفظ استعمال ہو یا ایسے الفاظ کہنا جن سے طلاق مراد ہونا ظاہر ہو اگرچہ وہ کسی زبان کے ہوں۔ جیسے ''میں نے تجھے چھوڑا'' صریح ہے، اس سے ایک طلاق ہوجائے گی خواہ نیت ہو یا نہیں۔ یہ طلاق رجعی کہلاتی ہے یعنی عدت کے اندر رجوع کیا جاسکتا ہے۔ رجوع نہ کرنے پر عدت ختم ہونے پر وہ نکاح سے نکل جائے گی، اگر عدت گزرنے کے بعد رشتہ جوڑنا چاہیں تو دوبارہ نکاح کرنا ہوگا۔

ایسے الفاظ جن سے طلاق مراد ہونا ظاہر نہ ہو اور دوسرے معنوں میں بھی انکا استعمال ہوتا ہو، ایسے الفاظ کنایہ کہلاتے ہیں۔ کنایہ سے طلاق واقع ہونے میں یہ شرط ہے کہ طلاق کی نیت ہو یا حالت بتاتی ہو کہ طلاق مراد ہے یا پہلے سے طلاق کا ذکر تھا یا غصہ میں کہا۔

کنایہ کے الفاظ تین طرح کے ہیں۔

اول: جن میں سوال رد کرنے کا احتمال ہے ان الفاظ کے کہنے میں نیت کے بغیر طلاق نہ ہوگی۔ دوم: جن میں گالی کا احتمال ہے ان سے طلاق ہونا خوشی اور غضب میں نیت پر موقوف ہے اور اگر پہلے سے طلاق کا ذکر تھا تو نیت کی ضرورت نہیں۔

سوم: جو فقط کسی بات کا جواب ہوں۔ خوشی کی حالت میں نیت کا ہونا ضروری ہے اور غضب و مذاکرہ کے وقت بغیر نیت بھی طلاق ہوجائے گی۔

کنایہ کے بعض الفاظ یہ ہیں: تو حرام ہے، تو علیحدہ ہے، تو جدا ہے، تو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا، میں نے تجھے چھوڑ دیا، میں نے تجھے جدا کردیا، تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، اپنے آپ کو اختیار کر، تیری رسی تیری گردن پر، اٹھ جا، نکل جا، چلی جا، اجنبی ہوجا، پردہ کرلے، اور شوہر ڈھونڈ لے، تو آزاد ہے، بھاڑ میں جا، دفع ہو، کالا منہ کر۔

کنایہ کے الفاظ سے ایک بائن طلاق واقع ہوگی البتہ اگر تین کی نیت کرے تو تین واقع ہونگی اور اگر دو کی نیت کی تو ایک ہی واقع ہوگی۔ طلاق بائن کا مطلب یہ ہے کہ عورت نکاح سے نکل گئی اب رشتہ جوڑنے کے لیے دوبارہ نکاح ضروری ہے خواہ عدت کے اندر ہو یا بعد۔ اگر تین طلاقوں کی نیت کی تھی تو حلالہ کے بغیر اس سے نکاح ممکن نہیں۔

ان الفاظ سے طلاق نہ ہوگی اگرچہ نیت کی ہو۔ مجھے تیری حاجت نہیں، مجھے تجھ سے کام نہیں، مجھے تجھ سے غرض نہیں، تو مجھے درکار نہیں، میں تجھے نہیں چاہتا، مجھے تجھ سے رغبت نہیں۔

صریح طلاق کی تین قسمیں ہیں:

۱۔طلاقِ احسن: یہ طلاق دینے کا سب سے اچھا طریقہ ہے۔ جب عورت ایامِ حیض کے بعد پاک ہوجائے تو شوہر اس سے صحبت نہ کرے اور اسے ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، یہانتک کہ عدت گزر جائے۔ یہ طلاق رجعی ہے، اگر عدت کے دوران شوہر رجوع کرنا چاہے تو کرسکتا ہے اور اگر عدت گزر جائے تو نئے سرے سے نکاح کرکے اس سے رشتہ جوڑسکتا ہے۔

۲۔طلاقِ حسن: اس کا طریقہ یہ ہے کہ پاکیزگی کی حالت میں ایک طلاق دے پھر حیض گزرنے کے بعد ایامِ پاکیزگی میں دوسری طلاق دے اور پھر حیض گزرنے کے بعد تیسری حالتِ پاکیزگی میں تیسری طلاق دے۔ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد شوہر رجوع کرسکتا تھا لیکن تین طلاق کے بعد طلاق مغلظہ بن چکی لہٰذا نہ تو رجوع ہوسکتا ہے اور نہ ہی نیا نکاح ممکن ہے اسلیے دوبارہ ازدواجی رشتہ قائم کرنے کے لیے حلالہ ضروری ہے۔

اس طریقے سے طلاق دینے میں یہ فائدہ ہے کہ شوہر دوسری یا تیسری طلاق دینے سے قبل اچھی طرح سوچ سکتا ہے اور اس دوران اصلاحِ احوال کے لیے مناسب کوشش بھی کی جاسکتی ہے اور شوہر کے پاس رجوع کی گنجائش بھی ہے جبکہ ایک ساتھ تین طلاقیں دینے سے رجوع کا دروازہ بند ہوجاتا ہے اور اسکے پاس اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کی گنجائش بھی نہیں رہتی۔

۳۔طلاقِ بدعت: وہ طلاق جو سنت طریقے کے خلاف دی جائے، طلاقِ بدعت کہلاتی ہے۔ اسکی چار صورتیں ہیں۔

اول: بیک وقت تین طلاقیں دینا،

دوم: جس طُہر یعنی پاکیزگی میں جماع کیا اسی میں طلاق دینا،

سوم: ایک طُہر میں دو یا تین طلاقیں دینا،

چہارم: حیض کی حالت میں طلاق دینا۔

حیض کی حالت میں طلاق دینا حرام ہے۔ اگر کسی نے حیض کے ایام میں ایک یا دو طلاقیں دی ہوں تو رجوع کرنا ضروری ہے، اگر رجوع نہ کیا تو گناہ گار ہوگا۔ جب عورت حیض سے پاک ہوجائے اور پھر دوبارہ ایک حیض گزرنے پر عورت پاک ہو تو اب اگر طلاق دینا چاہے تو طلاق دیدے۔

بیک وقت تین طلاقیں دینا بھی طلاق بدعت اور گناہ ہے مگر تینوں طلاقیں اسی وقت نافذ ہوجائیں گی۔ اس صورت میں حلالہ کے بغیر انکے ملاپ کی کوئی صورت نہیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا، ''پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے، پھر وہ دوسرا، اگر اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں، اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حدیں نباہیں گے، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں (وہ) بیان کرتا ہے دانش مندوں کے لیے''۔ (البقرۃ:۲۳۰)

معلوم ہوا کہ جب کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے خواہ بیک وقت دے دے خواہ علیحدہ علیحدہ، تو عورت شوہر پر بحرمتِ مغلظہ حرام ہوجاتی ہے۔ اسے دوبارہ بیوی بنانے کے لیے حلالہ ضروری ہوگا۔ حلالہ کا طریقہ یہ ہے کہ عدت کے بعد وہ عورت کسی دوسرے سے نکاح کرے اور وہ حقوقِ زوجیت پورے کریں، پھر اگر وہ شخص اپنی مرضی سے طلاق دیدے تو عورت عدت گزار کر پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔

طلاق غصہ میں دی جائے یا نشہ میں، واقع ہوجاتی ہے یوں ہی حمل کی حالت میں بھی عورت کو طلاق ہوجاتی ہے۔ اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی مگر لوگوں سے کہا کہ میں نے طلاق دیدی تو طلاق ہوجائے گی، اسی طرح اگر ایک طلاق دی اور لوگوں سے کہا کہ تین طلاقیں دی ہیں تو تین نافذ ہونگی اگرچہ کہے کہ میں نے جھوٹ کہا تھا۔

اگر شوہر نے تین طلاقیں دیں اور بعد میں مُکر گیا، اور عورت کے پاس گواہ نہیں ہے تو عورت کو چاہیے کہ جس طرح ممکن ہو اس سے پیچھا چھڑائے۔ مہر معاف کرکے یا اپنا مال اسکو دے کر اس سے علیحدہ ہوجائے۔ اگر وہ نہ چھوڑے تو عورت مجبور ہے پھر بھی اس فکر میں رہے کہ اس سے رہائی ملے، پوری کوشش کرے کہ وہ صحبت نہ کرنے پائے۔ عورت جب ان باتوں پر عمل کرے گی تو معذور ہے اور شوہر بہرحال گناہگار ہے۔

(ماخوذ از بہارِ شریعت، فتاوٰی رضویہ)

☆تین طلاقوں کا مسئلہ☆

سوال: غیر مقلد کہتے ہیں کہ عہدِ رسالت میں ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے ایک ہی طلاق شمار ہوتی تھی۔تین طلاقوں کو تین قرار دینے کی بدعت بعد میں شروع ہوئی۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: صحیح احادیث مبارکہ، اجماعِ صحابہ کرام اور تابعین وتبع تابعین کے اقوال سے ثابت ہے کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی تھیں۔ بدعت کے متعلق ہم بعد میں تفصیل سے گفتگو کریں گے فی الوقت یہ جان لیجیے کہ عہدِ رسالت و دورِ صحابہ میں کیا معمول تھا اور اس معمول کے خلاف بدعت پیدا کرنے والے بدعتی کون ہیں؟

محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیں۔ آقا و مولیٰ ﷺ یہ سن کر غصہ میں کھڑے ہوگئے اور فرمایا، لوگ کتاب اللہ سے کھیل کرتے ہیں حالانکہ میں تمہارے درمیان ابھی موجود ہوں۔ (نسائی ج ۲ص ۱۸۱)

اگر عہدِ نبوی میں تین طلاقیں ایک طلاق مانی جاتی تھیں تو آقا و مولیٰ ﷺ کے ناراض ہونے کا کیا سبب تھا؟ معلوم ہوا کہ تین طلاق ایک ساتھ دینا گناہ اور حضور ﷺ کو سخت ناپسند ہے۔ آپ یقیناً اسی لیے ناراض ہوئے کہ اس شخص نے سنت طریقے کے خلاف طلاق دے کر گناہ کا ارتکاب کیا۔

ایک اور حدیث پاک ملاحظہ کیجیے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہء اقدس میں ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی نافذ ہوتی تھیں۔

حضرت سہل بن سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے سامنے تین طلاقیں دیں تو آقائے دو جہاں ﷺ نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ (ابوداؤد ج ۱ص ۳۰۶)

اسی طرح سنن دار قطنی میں ہے کہ حفص بن مغیرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیں تو نبی کریم ﷺ نے انکی بیوی کو ان سے جدا کر دیا۔

اسی میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا ارشاد موجود ہے کہ "میں نے رسولِ معظم ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ جو اپنی بیوی کو تین طلاق دے، خواہ ہر طہر میں الگ الگ یا ہر ماہ کے شروع میں ایک ایک یا ایک ساتھ تین طلاق دے، اسکی بیوی حلال نہیں ہوگی جب تک کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے"۔ (دار قطنی ج ۴ص ۳۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے عرض کیا، میں نے اپنی بیوی کو سو (۱۰۰) طلاقیں دیدیں۔ آپ نے فرمایا، "اسے تین طلاقیں ہوگئیں اور ستانوے (۹۷) طلاقوں سے تو نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اڑایا"۔ (موطا امام مالک صفحہ ۵۱۰)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ "جو ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے تو وہ اسکے لیے حلالہ کے بغیر حلال نہ ہوگی"۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۷ص ۳۳۵)

صحیح مسلم کتاب الطلاق میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ قانون بنا دیا گیا کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی۔ اسکی شرح میں امام نووی نے فرمایا، صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہے کہ بیک وقت تین طلاقیں تین ہی ہونگی۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جو تین طلاق ایک ساتھ دیتا، آپ اسے دُرّے مارتے تھے۔

اس مسئلہ کا پس منظر یہ ہے کہ دورِ فاروقی سے قبل لوگ ایک بار طلاق دیتے اور دوبار اسکی تاکید کرتے، مثلاً تجھے طلاق ہے طلاق طلاق۔ پہلی بار طلاق کی نیت سے طلاق کہتے اور دوبار تاکید کے طور پر اسے دہراتے۔ بعد میں تین طلاق کی نیت سے تین بار طلاق کہنے لگے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انکی نیتوں کے مطابق شرعی حکم نافذ فرما دیا۔ (نووی شرح مسلم)

امام نووی جلد اول صفحہ ۴۷۸ پر رقمطراز ہیں، "بیک وقت تین طلاقوں کے تین ہونے کے بارے میں امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور جمہور علماء سلف وخلف کا اتفاق ہے"۔

غیر مقلد حضرات اپنے موقف کی تائید میں جو حدیث مسلم شریف سے پیش کرتے ہیں، محدثین کے نزدیک وہ شاذ، معلل اور غیر صحیح ہے۔ اسکا ایک سبب یہ ہے کہ اسکے راوی طاؤس قابلِ اعتماد نہیں، اور دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ اسکے راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں جو کہ خود تین طلاقوں کو تین قرار دیتے ہیں جیسا کہ موطا امام مالک کی حدیث اوپر بیان ہوئی۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ حضور ﷺ سے ایک بات روایت کریں اور پھر خود اسکے خلاف فتویٰ دیں۔

دوسری روایت جو یہ حضرات مسند احمد سے بطور دلیل لاتے ہیں وہ منکر اور ضعیف ہے۔ اسماء الرجال کی کتب میں اسکے ایک راوی کو ضعیف اور دوسرے کو جھوٹا بتایا گیا ہے۔ علامہ جصاص نے اس روایت کو منکر قرار دیا ہے۔ (احکام القرآن ص ۳۸۸)

ان دلائل سے ثابت ہوگیا کہ صحابہ و تابعین کرام نیز حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ بیک وقت دی گئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

☆ظہار کے مسائل☆

سوال: ظہار سے کیا مراد ہے؟ کسی نے اپنی بیوی سے کہا، "تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے" ۔کیا یہ ظہار ہے؟ ظہار کا کفارہ کیا ہے؟

جواب: ظہار کے معنی یہ ہیں کہ اپنی بیوی یا اسکے ایسے جزو کو جو کُل سے تعبیر کیا جاتا ہے، ایسی عورت سے تشبیہ دینا جو اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو یا اسکے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس عضو کی طرف اس مرد کو دیکھنا حرام ہے۔ جیسے یہ کہنا، تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے، یا تیری گردن یا تیرا سر میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے۔

عورت کے سر یا چہرہ یا گردن یا شرمگاہ کو محارم سے تشبیہ دی تو ظہار ہے اور اگر عورت کی پیٹھ یا پیٹ یا ہاتھ یا پاؤں یا ران کو تشبیہ دی تو کچھ نہیں۔ یوں ہی اگر محارم کے ایسے عضو سے تشبیہ دی جس کی طرف نظر کرنا حرام نہ ہو مثلاً سر یا چہرہ یا ہاتھ یا پاؤں یا بال تو ظہار نہیں اور اگر گھٹنے سے تشبیہ دی تو ظہار ہے۔

محارم کی پیٹھ یا پیٹ یا ران سے تشبیہ دی یا یہ کہا کہ میں نے تجھ سے ظہار کیا، تو نیت کچھ بھی نہ ہو یا طلاق کی نیت ہو یا تعظیم و تکریم کی نیت ہو، ہر حالت میں ظہار ہی ہے۔

اگر بیوی کو بہن، بیٹی یا ماں کہا تو ظہار نہ ہوا، مگر ایسا کہنا مکروہ ہے۔

اگر بیوی سے کہا، "تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے" تو نیت دریافت کی جائے گی::

......اگر اسکے اعزاز و تکریم کے لیے کہا تو کچھ نہیں،

......اگر طلاق کی نیت ہے تو طلاق بائن واقع ہو گی،

......اگر ظہار کی نیت ہے تو ظہار ہے، اور کچھ نیت نہ ہو تو کچھ نہیں۔

ظہار کا حکم یہ ہے کہ مرد جب تک کفارہ نہ دے دے اس وقت تک وہ عورت اس پر حرام رہے گی۔ اس کا کفارہ یہ ہے کہ مرد لگاتار دو ماہ کے روزے رکھے، اگر اسکی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

☆رجعت کا مسنون طریقہ☆

سوال: کسی نے اپنی عورت کو طلاق رجعی دی، اب وہ رجوع کرنا چاہتا ہے، رجعت کا مسنون طریقہ بیان فرمادیجیے۔

جواب: رجعت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کسی لفظ سے رجعت کی جائے اور اس پر دو عادل لوگوں کو گواہ بنایا جائے، نیز عورت کو بھی اسکی خبر دی جائے تا کہ وہ عدت کے بعد کسی اور سے نکاح نہ کرے۔

اگر قول سے رجعت کی مگر گواہ نہ کیے یا عورت کو خبر نہ کی تو رجعت ہوجائے گی مگر مکروہ اور خلاف سنت ہے۔ اور اگر کسی فعل سے رجعت کی تو رجعت ہوگئی مگر مکروہ ہے اسلیے پھر گواہوں کے سامنے رجعت کے الفاظ بھی کہنے چاہییں۔

رجعت کے الفاظ یہ ہیں، میں نے تجھ سے رجعت کی یا تجھ کو واپس اپنے نکاح میں لیا یا میں نے تجھے روک لیا یا میں نے اپنی بیوی سے رجعت کی۔ ان الفاظ سے نیت کے بغیر بھی رجعت ہوجاتی ہے۔

اگر یہ کہا کہ تو میرے نزدیک ویسی ہی ہے جیسی پہلے تھی یا کہا، تو میری عورت ہے، اگر رجعت کی نیت تھی تو رجعت ہوگئی ورنہ نہیں۔

رجعت میں عورت کی رضامندی ضروری نہیں، اگر عورت انکار بھی کرے رجعت ہوجائے گی۔

☆خلع کے مسائل☆

سوال: خلع کسے کہتے ہیں؟ اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہو تو کیا شوہر طلاق کے عوض اس سے مہر کے علاوہ زائد مال کا مطالبہ کرسکتا ہے؟

جواب: اسلام نے طلاق دینے کا اختیار مرد کو عطا کیا ہے اور ساتھ ہی عورت کو یہ حق دیا ہے کہ اگر شوہر اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا اور اسکے حقوق پامال کرتا ہے تو اس صورت میں وہ طلاق کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ اسے خلع کہتے ہیں۔ اسکا طریقہ یہ ہے کہ عورت شوہر سے یوں کہے کہ میں تمھیں اتنا مال دیتی ہوں یا جو مہر کی رقم تمہارے ذمہ ہے وہ رکھ لو اور مجھے طلاق دے دو۔ اگر شوہر اسے مان لے تو ایک طلاق بائن واقع ہوجائے گی۔

اگر مرد کی طرف سے زیادتی کے باعث عورت طلاق لینے پر مجبور ہو تو شوہر کو چاہیے کہ طلاق کے بدلے میں اس سے کوئی معاوضہ نہ لے۔ اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہو تو شوہر کو صرف مہر کی رقم پر خلع کرنی چاہیے اس سے زیادہ مال نہیں لینا چاہیے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے ان سے خلع کا مطالبہ کیا، ان کا مہر ایک باغ تھا۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا، کیا تم یہ باغ واپس کرتی ہو؟ انہوں نے عرض کی، یہ باغ بھی اور اس کے ساتھ مزید مال بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، صرف باغ، اس سے زیادہ نہیں۔ گویا جو باغ مہر میں دیا گیا تھا اسی پر نبی کریم ﷺ نے خلع کا فیصلہ فرمایا۔ (ہدایہ)

☆عدت کے احکام و مسائل☆

سوال: عدت کسے کہتے ہیں؟ طلاق اور وفات کی عدت کے متعلق ضروری مسائل ارشاد فرمائیے۔

جواب: عورت طلاق ہوجانے یا شوہر فوت ہوجانے کی صورت میں ایک مخصوص مدت تک دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی، اسے "عدت" کہتے ہیں۔

طلاق کی عدت کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ اگر عورت حاملہ ہے تو اسکی عدت بچہ پیدا ہونے تک ہے۔ جب بچہ پیدا ہوگا عدت ختم ہوجائے گی۔

۲۔ اگر عورت حاملہ نہیں اور اسے حیض آتا ہے تو اسکی مدت تین حیض ہے۔ یعنی جس پاکیزگی کے دنوں میں اسے طلاق ہو اس کے بعد جب تین حیض گزر جائیں تو تیسرے حیض کے ختم ہونے پر اسکی عدت ختم ہوجائے گی۔

۳۔ اگر عورت کو کسی سبب حیض نہیں آتا اور وہ حاملہ بھی نہیں تو ایسی عورت کی عدت تین ماہ ہے۔

جب کسی عورت کا شوہر وفات پاجائے اور وہ حاملہ ہو تو اسکی عدت بچہ پیدا ہونے تک ہے اور اگر وہ حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

عدت کے دوران عورت نہ تو کسی سے نکاح کرسکتی ہے اور نہ ہی اسے نکاح کا پیغام دیا جاسکتا ہے۔

عورت کو چاہیے کہ وہ عدت اسی مکان میں گزارے جہاں طلاق دی گئی یا شوہر کا انتقال ہوا۔ اس دوران مطلقہ عورت کے اخراجات اسکے شوہر کے ذمہ ہونگے۔

اگر بیوہ عورت رزق کے حصول کے لیے باہر نکلنے پر مجبور ہو تو اسے اجازت ہے کہ دن میں اور رات کے کچھ حصے میں باہر جائے اور رات کا اکثر حصہ اپنے مکان میں گزارے مگر حاجت سے زیادہ باہر ٹھہرنے کی اجازت نہیں۔

اگر اسکے پاس بقدرِ کفایت خرچ موجود ہے تو اسے گھر سے نکلنا مطلقاً منع ہے۔ یوں ہی اگر کوئی سودا لانے والا نہ ہو تو اسکے لیے بھی جاسکتی ہے۔

طلاق بائن یا تین طلاق کی عدت میں ضروری ہے کہ شوہر اور اسکی بیوی میں پردہ ہو یعنی انکے درمیان کسی چیز سے آڑ کر دی جائے کہ شوہر ایک طرف رہے اور عورت دوسری طرف۔ عورت کا اسکے سامنے محض اپنا بدن چھپانا کافی نہیں کیونکہ عورت اب اجنبیہ ہے اور اس سے خلوت جائز نہیں بلکہ یہاں فتنہ کا زیادہ اندیشہ ہے۔

اگر مکان اتنا تنگ ہو کہ دونوں الگ الگ رہ سکیں تو شوہر اتنے دنوں تک خود مکان چھوڑ دے، عورت کو دوسری جگہ بھیجنا جائز نہیں۔

اگر شوہر فاسق ہو تو حکما اسے مکان سے علیحدہ کر دیا جائے اور اگر وہ نہ نکلے تو وہاں کوئی دانشمند عورت بھیج دی جائے جو فتنہ کو روک سکے۔

ان مسائل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام نے عورتوں کو کس قدر حقوق دیے ہیں، یہاں تک کہ طلاق کے بعد عدت کے دوران شوہر نہ صرف عورت کو رہائش دینے کا پابند ہے بلکہ اسکے کھانے پینے وغیرہ کے ضروری اخراجات بھی شوہر ہی کے ذمے ہیں۔ دنیا کے کسی اور مذہب میں عورتوں کے حقوق کے متعلق ایسی مثال نہیں ملتی۔

جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا یا جس کو طلاق بائن ہو گئی اسے عدت کے دوران زیب و زینت اور بناؤ سنگھار نہیں کرنا چاہیے البتہ غسل کرنے یا صاف لباس پہننے کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ بناؤ سنگھار ترک کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ ہر قسم کا زیور، ہر رنگ کے ریشمی کپڑے، شوخ رنگ کا لباس، خوشبو، مہندی، سرمہ، تیل (اگرچہ خوشبودار نہ ہو) اور کنگھا استعمال کرنا منع ہے۔ عذر کی وجہ سے ان چیزوں کا بقدر ضرورت استعمال کیا جا سکتا ہے جبکہ زینت مقصود نہ ہو۔

جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی اسے نہ تو شوہر سے پردے کی ضرورت ہے اور نہ ہی بناؤ سنگھار کرنے میں کوئی مضائقہ ہے بلکہ بہتر ہے کیونکہ ممکن ہے اس طرح اسکا شوہر اسکی طرف مائل ہو اور رجوع کر لے۔

☆☆☆☆☆

☆عورتوں کی مزارات پر حاضری☆

سوال:عورتوں کے لیےقبروں کی زیارت کرنا اوراولیائے کرام کے مزارات پر حاضری دینا شرعاً کیسا ہے؟ دلائل کے ساتھ وضاحت فرمائیے۔

جواب:اگر چہ بعض علماء نے عورتوں کو چند شرائط کے ساتھ قبروں کی زیارت کی اجازت دی ہےلیکن اس بارے میں ہمارا مسلک وہی ہے جوامامِ اہلسنت ،مجددِدین وملت اعلیٰ حضرت امام احمدرضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔آپ نے اس موضوع پر ایک مدلل تحقیقی رسالہ ''جمل النورفی نہی النساءعن زیارۃ القبور''تحریرفرمایا،اس رسالے سے چندنکات ملاحظہ فرمائیں۔

اعلیٰ حضرت ایک سوال کے جواب میں تحریرفرماتے ہیں،عورتوں کے حالات کودیکھتے ہوئے سوائے روضہءانور کی حاضری کے جوکہ واجب یاواجب کے قریب ہے، میں اولیاء کے مزارات یادیگرقبور کی زیارت کوعورتوں کا جانا صاحبِ غنیۃ علامہ محقق ابراہیم حلبی کی تحقیق سے اتفاق کرتے ہوئے ہرگز پسند نہیں کرتا،خصوصاًاس طوفانِ بےتمیزی رقص ومزامیروسرودمیں جوآج کل جاہلوں نے اعراسِ طیبہ میں برپاکررکھاہے،میں تواس میں عام مردوں کی بھی شرکت پسندنہیں کرتا توپھرانکی شرکت کیسے جائز ہوجن کے سامنے حضرت انجشہ رضی اللہ عنہ کی خوش الحان حدی خوانی پرحضوراکرمﷺ نے فرمایا،اے انجشہ !ان نازک شیشیوں کو نہ توڑو۔

نبی کریمﷺ نے عورتوں کوعیدین کی سخت تاکیدفرمائی۔دوسری حدیث پاک میں ہے،اللہ کی بندیوں کواللہ کی مسجدوں میں آنے سے نہ روکو۔(بخاری،مسلم) ان واضح احکامات کے باوجودحضرت عمررضی اللہ عنہ نے عورتوں کومسجدوں میں آنے سے منع فرمایا۔وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس شکایت لے کرگئیں توام المومنین نے فرمایا،

''اگرنبی کریمﷺعورتوں کے یہ حالات ملاحظہ فرماتے توضرورانہیں مسجد سے منع فرمادیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کردی گئیں''۔(بخاری،مسلم،ابوداؤد)

عمدۃ القاری شرح بخاری جلدسوم میں علامہ بدرالدین عینی لکھتے ہیں،حضرت ابن مسعودرضی اللہ عنہ کاارشاد ہے،عورت سرتاپاچھپانے کی چیز ہے،وہ اپنے گھر کی تہہ میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتی ہےاورجب وہ باہرنکلتی ہےتوشیطان اسے دیکھتا ہے۔حضرت ابن عمررضی اللہ عنہماجمعہ کے دن کھڑے ہوکرکنکریاں مارکرعورتوں کو مسجد سے نکالتے۔امام ابراہیم نخعی تابعی(جوامامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے استاد کے استاد ہیں)اپنی عورتوں کوجمعہ وجماعت میں جانے سے منع فرماتے تھے۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں، جب ان خیر کے زمانوں اوران فیوض وبرکات کے وقتوں میں عورتیں مسجدوں میں جانے اور جماعت میں شریک ہونے سے منع کردی گئیں حالانکہ دینِ اسلام میں دونوں کی شدیدتاکید ہےتوکیااس برائیوں کے زمانے میں فیوض وبرکات کے حصول کے حیلے سے عورتوں کوقبروں کی زیارت کوجانے کی اجازت دی جائے گی جس کی شریعت میں کوئی تاکیدنہیں؟اورخصوصاًان میلوں ٹھیلوں میں جوجہلاء نے مزاراتِ کرام پرنکال رکھے ہیں،یہ فعل کس قدرشریعتِ مطہرہ کے خلاف ہے؟؟؟

عمدۃ القاری شرح بخاری جلدچہارم میں امام ابوعمرکاقول ہے کہ اکثرعلماء نے تونمازوں کے لیےعورتوں کانکلنامکروہ کہا ہےتوقبرستان جانے کاکیاحکم ہوگا؟میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ عورتوں سے فرض نمازجمعہ کاساقط ہوجانااس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اسکےعلاوہ یعنی زیارتِ قبور سے روکاجائے گا۔عمدۃ القاری ہی میں ہے کہ ہمارے لوگوں نے کراہت کی دلیل یہ دی ہے کہ عورتوں کے نکلنے میں فتنہ کااندیشہ ہےاوریہ نکلناایک حرام کاسبب ہےاورجوکام حرام تک پہنچانے والاہووہ حرام ہی ہے۔اس حقیقت کے پیشِ نظرمکروہ سےحرام مراد ہےکیونکہ اس زمانے میں فتنہ وفساداوربرائی عام ہے۔

غنیۃ نے نقل کیا ہے کہ امام قاضی سے فتویٰ پوچھاگیاکہ عورتوں کوقبرستان جاناجائز ہے یانہیں؟فرمایا،ایسی جگہ جائز،ناجائز نہیں پوچھوبلکہ یہ پوچھوکہ اس عورت پرکتنی لعنت ہوتی ہے؛وہ جب گھر سے نکلنےکاارادہ کرتی ہےاللہ تعالیٰ اورفرشتے اس پرلعنت کرتے ہیں،وہ جب باہرنکلتی ہےاسے ہرطرف سے شیطان گھیرلیتے ہیں،جب قبرتک پہنچتی ہےمیت کی روح اس پرلعنت کرتی ہے،وہ جب واپس آتی ہےاللہ تعالیٰ کی لعنت میں ہوتی ہے۔

(ماخوذازجمل النورفی نہی النساءعن زیارۃالقبور)

اس پُرفتن دورمیں خواتین کوچاہیےکہ وہ بزرگانِ دین کی سیرت اورانکی تعلیمات پرمبنی کتب گھرمیں رکھیں،خودبھی پڑھیں اوربچوں کوبھی پڑھوائیں اورجب کسی بزرگ کے عرس کاموقع آئےتوگھرہی میں انکےایصالِ ثواب کے لیےمحفل منعقدکرلیں جس میں اگرہوسکےتوانکی سیرت وتعلیمات بیان کریں ورنہ کھانے پینے کی کسی چیزپرفاتحہ پڑھ کرانہیں ایصالِ ثواب کریں۔اسی طرح وہ اپنے عزیزواقارب میں سے کسی کے لیےبھی تلاوتِ قرآن اورذکرواذکارکے بعدفاتحہ پڑھ کرایصالِ ثواب کرسکتی ہیں۔

☆جہنم میں عورتوں کی کثرت کیوں؟☆

سوال: کہا جاتا ہے کہ اہلِ جہنم میں زیادہ تر عورتیں ہونگی۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو اس کی کیا وجوہات ہیں؟

جواب: بخاری و مسلم میں ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ کا عورتوں کے پاس سے گذر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا، اے عورتو! تم صدقہ کیا کرو، میں نے جہنم میں اکثر عورتوں کو دیکھا ہے۔ عرض کی گئی، اسکی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تم لعنت زیادہ کرتی ہو، اپنے شوہر کی نعمتوں کی ناشکری کرتی ہو، میں نے تم سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا جو خود تو عقل و دین میں ناقص ہو لیکن بڑے بڑے عقلمندوں کی عقل کو ناکارہ کردے۔

عرض کی گئی، ہمارے عقل و دین میں کیا کمی ہے؟ فرمایا، کیا عورتوں کی گواہی مردوں کی گواہی کے نصف کے برابر نہیں؟ عرض کی گئی، ہاں۔ ارشاد ہوا، یہ انکی عقل کی کمی ہے۔ پھر فرمایا، عورت کو جب حیض آئے تو وہ نماز نہیں پڑھتی اور روزہ نہیں رکھتی، کیا ایسا نہیں ہے؟ عرض کی گئی، ہاں ایسا ہی ہے۔ فرمایا، یہ انکے دین کی کمی ہے۔

آقا و مولیٰ ﷺ کا ایک اور ارشاد ہے، میں نے جہنم میں عورتوں کو زیادہ دیکھا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! اسکی کیا وجہ ہے؟ فرمایا، انکی ناشکری کے باعث۔ عرض کی گئی، کیا وہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرتی ہیں؟ آقا کریم ﷺ نے فرمایا، وہ شوہر کی ناشکری کرتی ہیں اور اسکے احسانات کا انکار کرتی ہیں؛ اگر تم عورت پر طویل عرصہ احسان کرتے رہو پھر اسے تمہاری طرف سے معمولی فرق نظر آئے تو کہتی ہے، میں نے تو تم سے آج تک کوئی بھلائی نہیں دیکھی۔ (بخاری)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جہنم میں زیادہ تر عورتیں ہونگی اور انکے جہنم میں جانے کی دو بڑی وجوہات حضور ﷺ نے بیان فرمائیں۔ اول یہ کہ وہ کثرت سے لعن طعن کرتی ہیں اور دوم یہ کہ وہ اپنے شوہروں کی ناشکری کرتی ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کو ان برائیوں سے بچنے کے علاوہ کثرت سے صدقہ کرنا چاہیے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، "صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بجھاتا ہے اور بری موت کو دور کرتا ہے"۔ (ترمذی) ایک اور حدیث پاک میں ہے، "آگ سے بچو اگرچہ کھجور کا کچھ حصہ ہی صدقہ دو"۔ (بخاری)

یہ مسئلہ بھی ذہن نشین رہے کہ عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اسکے مال سے اتنا صدقہ دے سکتی ہے جتنا دینے سے شوہر ناراض نہیں ہوتا۔ اس صدقہ کا ثواب دونوں کو برابر ہوگا اور ایک کے ثواب سے دوسرے کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

اول الذکر حدیث مبارکہ میں ایک اور حقیقت بیان ہوئی ہے وہ یہ کہ عورتیں خود تو عقل و دین میں ناقص ہیں لیکن بڑے بڑے عقلمندوں کی عقل پر پردے ڈال دیتی ہیں۔ اسکی کئی مثالیں معاشرے میں دیکھی جاسکتی ہیں؛ عورتوں کا بن سنور کر بے پردہ باہر نکلنا، بازاروں میں نامحرموں کے درمیان گھومنا پھرنا، مردوں کی مشابہت اختیار کرنا وغیرہ۔ ایسے سب کام اکثر عورت اس وقت کرتی ہے جب وہ اپنے گھر کے مردوں کی عقل کو ناکارہ بنا دیتی ہے۔ پردے کے متعلق ضروری مسائل واحکام پچھلے صفحات میں بیان کیے جاچکے ہیں۔

آقا و مولیٰ ﷺ نے عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں اور مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔ (بخاری) یہ مشابہت لباس میں ہو یا زیب و زینت میں یا عادات و اطوار میں، کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ سید عالم ﷺ نے ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کا سا لباس پہنتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردانہ لباس پہنتی ہیں۔ (ابوداؤد) ایک اور حدیث پاک میں ارشاد ہوا، اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو اپنے جسم پر رنگ بھرواتی ہیں اور جو رنگ بھرتی ہیں، اور جو چہرے سے بال نوچتی ہیں اور جو بال نوچواتی ہیں، اور ان پر بھی جو اپنے دانتوں کے درمیان حسن کے لیے کشادگی بناتی ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے والی ہیں۔ (مسلم)

اس حدیث پاک میں بال نوچنے کا ذکر ابروؤں یا چہرے سے متعلق ہے البتہ داڑھی یا مونچھوں کی جگہ کے بال عورت کو نوچنا جائز ہے۔ ایک اور حرام فعل جس میں عورتیں کثرت سے مبتلا ہیں وہ میت پر نوحہ و بَین کرنا ہے۔ صدرُ الشریعہ لکھتے ہیں، نوحہ یعنی میت کے اوصاف مبالغہ کے ساتھ بیان کرکے آواز سے رونا (اور چلانا) جسے بین کہتے ہیں، بالاجماع حرام ہے۔ گریبان پھاڑنا، منہ نوچنا، بال کھولنا، سر پر خاک ڈالنا، سینہ پیٹنا، ران پر ہاتھ مارنا یہ سب جاہلیت کے کام ہیں اور حرام ہیں۔ آواز سے رونا منع ہے اور آواز بلند نہ ہو تو اسکی ممانعت نہیں۔

(بہارِ شریعت حصہ چہارم ص ۱۳۶)

آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، جو اپنا منہ پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کا پکارنا پکارے یعنی نوحہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (بخاری، مسلم) نورِ مجسم ﷺ کا ارشاد ہے، جو سر منڈائے اور چیخے چلائے یعنی نوحہ و بین کرے اور کپڑے پھاڑے، میں اس سے بیزار ہوں۔ (ایضاً) رسولِ معظم ﷺ نے نوحہ کرنے اور سننے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔ (ابوداؤد)

بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، آنکھ کے آنسو اور دل کے غم کے سبب اللہ تعالیٰ عذاب نہیں فرماتا، پھر زبان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا، لیکن اسکے سبب عذاب یا رحم فرماتا ہے اور گھر والوں کے رونے کی وجہ سے میت پر عذاب ہوتا ہے یعنی جبکہ اس نے رونے کی وصیت کی ہو یا وہاں رونے کا رواج ہو اور اس نے منع نہ کیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یا یہ مراد ہے کہ انکے رونے سے اسے تکلیف ہوتی ہے کہ دوسری حدیث میں آیا، اے اللہ کے بندو! اپنے مردے کو تکلیف نہ دو، جب تم رونے لگتے ہو وہ بھی

روتا ہے۔

(بہارِ شریعت حصہ چہارم ص ۱۳۷)

رحمتِ عالم ﷺ نے صدمہ کے وقت صبر کرنے کی بیحد تلقین فرمائی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے آدم کی اولاد! اگر تو شروع صدمہ کے وقت صبر کرے اور ثواب کا طالب ہو تو میں تیرے لیے جنت کے سوا کسی ثواب پر راضی نہیں۔ (ابن ماجہ)

ایک اور حدیث شریف میں عورتوں کو صبر کے بدلے میں جنت کی بشارت دی گئی۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے جس عورت کے تین بچے فوت ہو جائیں وہ اسے دوزخ سے بچا لیں گے۔ ایک عورت بولی، جس کے دو بچے فوت ہو جائیں؟ فرمایا، دو بچے بھی آگ سے بچا لیں گے۔ (بخاری) دوسری روایت میں ہے، جس کا ایک بچہ فوت ہو جائے وہ بھی اپنے ماں باپ کو آگ سے بچا لے گا۔ (احمد ترمذی، ابن ماجہ) مسند احمد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ کچا بچہ بھی اپنی ماں کو جنت میں لے جائے گا بشرطیکہ وہ صبر کرے۔

اور جو چہرے سے بال نوچتی ہیں اور جو بال نوچواتی ہیں، اور ان پر بھی جو اپنے دانتوں کے درمیان حسن کے لیے کشادگی بناتی ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنے والی ہیں۔(مسلم)

اس حدیث پاک میں بال نوچنے کا ذکر ابروؤں یا چہرے سے متعلق ہے البتہ داڑھی یا مونچھوں کی جگہ کے بال عورت کو نوچنا جائز ہے۔ ایک اور حرام فعل جس میں عورتیں کثرت سے مبتلا ہیں وہ میت پر نوحہ وبَین کرنا ہے۔ صدرُ الشریعہ لکھتے ہیں، نوحہ یعنی میت کے اوصاف مبالغہ کے ساتھ بیان کر کے آواز سے رونا (اور چلانا) جسے بین کہتے ہیں، بالا جماع حرام ہے۔ گریبان پھاڑنا، منہ نوچنا، بال کھولنا، سر پر خاک ڈالنا، سینہ پیٹنا، ران پر ہاتھ مارنا یہ سب جاہلیت کے کام ہیں اور حرام ہیں۔ آواز سے رونا منع ہے اور آواز بلند نہ ہو تو اسکی ممانعت نہیں۔

(بہارِ شریعت حصہ چہارم ص ۱۳۶)

آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، جو اپنا منہ پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کا پکارنا پکارے یعنی نوحہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (بخاری، مسلم) نورِ مجسم ﷺ کا ارشاد ہے، جو سر منڈائے اور چیخے چلائے یعنی نوحہ و بین کرے اور کپڑے پھاڑے، میں اس سے بیزار ہوں۔ (ایضاً) رسولِ معظم ﷺ نے نوحہ کرنے اور سننے والی عورتوں پر لعنت فرمائی۔ (ابوداؤد)

بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، آنکھ کے آنسو اور دل کے غم کے سبب اللہ تعالیٰ عذاب نہیں فرماتا، پھر زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا، لیکن اسکے سبب عذاب یا رحم فرماتا ہے اور گھر والوں کے رونے کی وجہ سے میت پر عذاب ہوتا ہے یعنی جبکہ اس نے رونے کی وصیت کی ہو یا وہاں رونے کا رواج ہو اور اس نے منع نہ کیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یا یہ مراد ہے کہ انکے رونے سے اسے تکلیف ہوتی ہے کہ دوسری حدیث میں آیا، اے اللہ کے بندو! اپنے مردے کو تکلیف نہ دو، جب تم رونے لگتے ہو وہ بھی روتا ہے۔

(بہارِ شریعت حصہ چہارم ص ۱۳۷)

رحمتِ عالم ﷺ نے صدمہ کے وقت صبر کرنے کی بیحد تلقین فرمائی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے آدم کی اولاد! اگر تو شروع صدمہ کے وقت صبر کرے اور ثواب کا طالب ہو تو میں تیرے لیے جنت کے سوا کسی ثواب پر راضی نہیں۔ (ابن ماجہ)

ایک اور حدیث شریف میں عورتوں کو صبر کے بدلے میں جنت کی بشارت دی گئی۔ آقا و مولیٰ ﷺ نے فرمایا، تم میں سے جس عورت کے تین بچے فوت ہو جائیں وہ اسے دوزخ سے بچالیں گے۔ ایک عورت بولی، جس کے دو بچے فوت ہو جائیں؟ فرمایا، دو بچے بھی آگ سے بچالیں گے۔ (بخاری) دوسری روایت میں ہے، جس کا ایک بچہ فوت ہو جائے وہ بھی اپنے ماں باپ کو آگ سے بچالے گا۔ (احمد ترمذی، ابن ماجہ)

مسند احمد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ کچا بچہ بھی اپنی ماں کو جنت میں لے جائے گا بشرطیکہ وہ صبر کرے۔

☆ میت کے غسل اور کفن کے مسائل ☆

سوال: جب کسی مسلمان کے انتقال کا وقت قریب آئے تو کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟ میت کو غسل دینے اور کفن پہنانے سے متعلق ضروری مسائل بھی بیان فرمایئے۔

جواب: جب کسی کی موت کا وقت قریب آئے اور موت کی علامات ظاہر ہونے لگیں (پاؤں ڈھیلے پڑ جائیں اور کھڑے نہ ہو سکیں اور ناک ٹیڑھی ہو جائے وغیرہ) تو سنت یہ ہے کہ اسے دائیں کروٹ پر لٹا کر منہ قبلہ کو کر دیں یا سیدھا لٹا کر پاؤں قبلہ کی طرف کر دیں اور سر ذرا سا اونچا کر دیں اسطرح بھی اسکا منہ قبلہ کی سمت ہو جائے گا اور اگر قبلہ کی سمت منہ کرنا دشوار ہو تو وہ جس حالت پر ہے رہنے دیں۔

نزع کی حالت میں اسے کلمہ کی تلقین کریں یعنی اسکے پاس بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھیں مگر اسے پڑھنے کے لیے ہرگز نہ کہیں کیونکہ ہو سکتا ہے وہ شدید تکلیف کے باعث انکار کر دے۔ اسکے پاس سورہ یٰسین اور سورہ الرعد کی تلاوت کی جائے اس سے روح نکلنے میں آسانی ہوتی ہے نیز وہاں اگربتیاں سلگا دیں تا کہ خوشبو رہے، یہ مستحب ہے۔

اس کمرے میں تصویر یا کوئی ناپاک شخص ہو تو اسے ہٹا دیں کیونکہ آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمان ہے، ''جس گھر میں کتا، تصویر یا کوئی ناپاک شخص ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے''۔ (مشکوٰۃ)

حیض اور نفاس والی عورتیں وہاں آسکتی ہیں لیکن اگر حیض ونفاس ختم ہو جانے کے بعد انہوں نے غسل نہ کیا ہو تو وہاں نہ آئیں۔

جب روح نکل جائے تو میت کی آنکھیں بند کر دیں اور یہ دعا پڑھیں:۔

بِسْمِ اللّٰہِ وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ۔ اَللّٰھُمَّ یَسِّرْ عَلَیْہِ اَمْرَہٗ وَسَھِّلْ عَلَیْہِ مَا بَعْدَہٗ وَاَسْعِدْہُ بِلِقَائِكَ وَاجْعَلْ مَا خَرَجَ اِلَیْہِ خَیْرًا مِّمَّا خَرَجَ عَنْہُ۔

"اللہ تعالیٰ کے نام اور رسول اللہ ﷺ کی ملت پر اسکی آنکھیں بند کرتا ہوں، اے اللہ تعالیٰ! اِس پر اِسکے معاملے کو آسان فرما دے اور بعد والے مراحل کو بھی آسان فرما دے۔ اسے اپنی ملاقات سے خوش قسمت بنادے اور جدھر یہ جارہا ہے اُسے یعنی آخرت کو اِس جگہ یعنی دنیا سے بہتر بنادے جہاں سے یہ نکلا ہے"۔

میت کی آنکھیں بند کرنے کے بعد اسکے بازو اور ٹانگیں سیدھی کردیں اور کپڑے کی چوڑی پٹی ٹھوڑی کے نیچے سے لے جاکر سر کے اوپر گرہ باندھ دیں تاکہ میت کا منہ کھلا نہ رہے۔ پیٹ پر لوہا یا کوئی بھاری چیز رکھ دیں تاکہ پیٹ پھول نہ جائے مگر ضرورت سے زیادہ وزنی نہ ہو کہ میت کے لیے باعثِ تکلیف ہے۔

میت کے ذمہ قرض ہو تو اسے جلد از جلد ادا کر دیا جائے نیز غسل و کفن میں بھی جلدی کرنی چاہیے۔ ان دونوں باتوں کی حدیث شریف میں بہت تاکید آئی ہے۔ میت کے پاس تلاوت اور ذکر و اذکار کرنا جائز ہے البتہ میت کے پاس بلند آواز سے رونا اور بَین کرنا سخت ناجائز ہے۔ اگر غم کی شدت کے باعث آنسو بہائیں تو کوئی حرج نہیں جبکہ زبان پر کوئی شکایت یا بے صبری کا جملہ نہ آئے۔

میت کو وہ لوگ غسل دیں جن کا میت سے دلی تعلق ہوتا کہ اگر کوئی ناپسندیدہ بات دیکھیں تو کسی کو نہ بتائیں۔ میت کو جس چارپائی یا تختہ پر غسل دینا ہو اسے خوشبو کی دھونی دیں یا اسکے ارد گرد اگربتیاں سلگا دیں، اور جس پانی سے غسل دینا ہو اسمیں بیری کے پتے ڈال کر پانی کو جوش دیں، اگر پتے نہ ملیں تو خالص پانی نیم گرم لے لیں۔

میت مرد ہو تو مرد غسل دے اور عورت ہو تو عورت نہلائے۔ عورت مرجائے تو اسکا شوہر نہ اسے نہلا سکتا ہے اور نہ چھو سکتا ہے البتہ دیکھنے کی ممانعت نہیں۔ شوہر اسکے جنازے کو کندھا بھی دے سکتا ہے اور اسے قبر میں بھی اتار سکتا ہے۔

میت کو کسی باپردہ جگہ چارپائی یا تختہ پر سیدھا لٹادیں پھر ناف سے گھٹنوں تک کسی کپڑے سے پردہ کر کے اسکا لباس اتار دیں۔ میت کو غسل دینے والی اپنے ہاتھ پر کپڑا لپیٹ لے پھر میت کو پہلے استنجا کرائے پھر وضو کرائے؛ اس وضو میں نہ تو کلی کرائے اور نہ ہی ناک میں پانی ڈالے البتہ کوئی کپڑا یا روئی بھگو کر میت کے دانتوں، مسوڑھوں اور ہونٹوں پر اور ناک میں بھی پھیر دے۔ پھر صابن سے سر کے بال اچھی طرح دھو کر پانی بہائے۔ اب میت کو بائیں کروٹ لٹا کر سر سے پاؤں تک پانی بہائیں کہ نیچے تک پہنچ جائے پھر دائیں کروٹ لٹا کر بائیں طرف کو اچھی طرح دھوئیں اور پانی بہادیں۔

پھر میت کو سہارا دیکر بٹھائیں اور نرمی کے ساتھ پیٹ پر نیچے کی طرف ہاتھ پھیریں اگر نجاست نکلے تو دھو دیں البتہ دوبارہ وضو و غسل نہ کرائیں۔ آخر میں سر سے پاؤں تک کافور کا پانی بہائیں اور کسی تولیے یا پاک کپڑے سے جسم کو نرمی سے خشک کریں۔

مرد کے لیے سنت کفن تین کپڑے ہیں۔ ازار یعنی تہبند، قمیص اور لفافہ جبکہ عورت کے لیے سنت کفن پانچ کپڑے ہیں۔ مذکورہ تین کپڑوں کے علاوہ اوڑھنی اور سینہ بند بھی ہیں۔ انکی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

ازار وہ چادر ہے جو میت کے سر سے لے کر پاؤں تک لمبی ہو اور اتنی چوڑی ہو کہ دونوں طرف سے لپیٹی جاسکے۔ قمیص گردن سے گھٹنوں کے نیچے تک ہو اور آگے پیچھے سے برابر ہو، اسمیں عام قمیص کی طرح آستینیں اور اطراف میں سلائی نہیں ہوتی۔ میت کو قمیص پہنانے کے لیے مرد کی قمیص کو کندھے پر جبکہ عورت کی قمیص کو سینے کی طرف سے چیریں۔ قمیص کو کناروں سے لپیٹا نہیں جاتا اسلیے اسکی چوڑائی ازار اور لفافہ سے کم ہو۔

لفافہ وہ چادر ہے جو میت کے قد سے اتنی زیادہ لمبی ہو کہ دونوں طرف باندھی جاسکے۔ عورت کے لیے اوڑھنی کی مقدار تین ہاتھ یعنی ڈیڑھ گز ہے جبکہ سینہ بند سینے سے لے کر رانوں تک ہونا چاہیے۔

کفن پہنانے کا طریقہ:

کفن پہنانے کا طریقہ یہ ہے کہ کفن کے کپڑوں کو خوشبو لگا کر بستر پر پہلے بڑی چادر (لفافہ) بچھائیں اسکے اوپر دوسری چادر (ازار) بچھا دیں۔ پھر قمیص اسطرح بچھائیں کہ نیچے والا حصہ چادر پر ہو اور اوپر والا حصہ چارپائی کے سرہانے کی طرف کر دیا جائے۔ پھر میت کو اس پر لٹا کر اسکے سر کو قمیص کے چاک کیے ہوئے حصے سے گذار دیں پھر میت کے جسم پر خوشبو ملیں اور سجدے کی جگہوں یعنی پیشانی، ناک، ہاتھ، گھٹنے اور پاؤں کی پشت پر کافور لگائیں۔

میت عورت ہو تو قمیص یعنی کفنی پہنا کر سر کے بالوں کو دو حصے کر کے ایک کو ایک طرف سے اور دوسرے کو دوسری طرف سے قمیص کے اوپر سینہ پر ڈال دیں پھر اوڑھنی کو نصف پشت کے نیچے سے بچھا کر سر پر لا کر منہ پر نقاب کی طرح ڈال دیں تاکہ سینہ پر ہی رہے۔

پھر ازار کو پہلے بائیں اور پھر دائیں طرف سے میت پر لپیٹیں اسی طرح لفافے کو بھی پہلے بائیں اور پھر دائیں طرف سے لپیٹ دیں تاکہ دائیں طرف اوپر رہے۔ پھر سب کے اوپر سینہ بند اس طرح باندھیں کہ پستان کے اوپر سے ران تک رہے۔

کفن کے ساتھ اسی طرح کا کچھ زائد کپڑا بھی لینا چاہیے تاکہ اس سے تین دورے بنا کر سر کی اور پاؤں کی طرف سے باندھ دیں اور اگر ضرورت ہو تو درمیان میں بھی باندھ دیں مگر زیادہ تنگ کر کے نہ باندھیں، اس درمیانی بند کو دفن کے وقت کھول دیا جائے۔

(فتاویٰ رضویہ، بہارِ شریعت)

☆طعامِ میت کے مسائل☆

سوال: کسی مسلمان کے انتقال پر جو عزیز و اقارب یا محلے والے جمع ہوتے ہیں انہیں میت کے گھر سے کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ شریعتِ مطہرہ کی رُو سے اسکا کیا حکم ہے؟

جواب: اس موضوع پر مجددِ دین وملت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہٗ نے فتاویٰ رضویہ میں نہایت جامع گفتگو فرمائی ہے اسکا خلاصہ اپنے الفاظ میں عرض کرتا ہوں۔ کسی مسلمان کے انتقال پر اسکے یہاں جو عزیز و اقارب اور محلے والے جمع ہوتے ہیں انکے لیے میت کے اہلِ خانہ کا کھانے پینے کا انتظام کرنا جائز نہیں۔

اس کی چار وجوہات ہیں:

اول: دعوت خوشی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غم کے موقع پر۔ نیز اہلِ میت کو غم والم کے باعث کھانے کا اہتمام کرنا دشوار ہوتا ہے۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان اہلِ میت کے یہاں ٹھہرے رہنے اور دعوت طعام کو میت کے لیے نوحہ کی مثل سمجھتے تھے جس کی حرمت پر متواتر حدیثیں موجود ہیں۔

دوم: اگر ورثاء میں سے کوئی نابالغ ہے تو اسکا مال خرچ کرنے کا اختیار کسی کو نہیں اور اگر کوئی وارث موجود نہیں تو اسکے مال میں بغیر اسکی اجازت تصرف کرنا جائز نہیں لہٰذا کوئی بالغ اپنے ذاتی مال سے خرچ کرے یا ترکہ سے کرے جبکہ سب ورثاء بالغ موجود و راضی ہوں۔

سوم: وہاں عزیزوں کی عورتیں جمع ہوتی ہیں جو اکثر ناجائز کام کرتی ہیں مثلاً چلا کر رونا پیٹنا، بناوٹ سے منہ ڈھانکنا وغیرہ یہ سب نوحہ کرنا ہے جو کہ حرام ہے۔ ایسے مجمع کے لیے میت کے عزیزوں کا بھی کھانا بھیجنا جائز نہیں۔

چہارم: اکثر لوگوں کو اس بری رسم کے باعث جاہلوں کے طعنوں سے بچنے کے لیے اپنی طاقت سے زیادہ اہتمام کرنا پڑتا ہے اور وہ اپنے غم کو بھول کر اس آفت میں مبتلا ہو جاتے ہیں بعض اسکے لیے قرض لیتے ہیں ایسا تکلف تو شریعت کو مباح کام کے لیے بھی پسند نہیں چہ جائیکہ ایک ممنوع رسم کے لیے ایسا کیا جائے۔

اللہ عزوجل مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ ایسی بری رسوم کو جن سے انکے دین و دنیا دونوں کا نقصان ہے فوراً چھوڑ دیں اور بیہودہ طعنوں کا ہرگز خیال نہ کریں۔

صرف ایک دن یعنی پہلے روز ہی عزیزوں ہمسایوں کو مسنون ہے کہ اہل میت کے لیے اتنا کھانا پکوا کر بھیجیں جسے وہ دو وقت کھا سکیں اور بہ اصرار انہیں کھلائیں مگر یہ کھانا صرف اہل میت ہی کے لیے ہونا سنت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم صفحہ ۱۳۸ تا ۱۴۰، ملخصاً)

☆ایصالِ ثواب کیوں ضروری ہے؟☆

سوال: کیا مُردوں کو ایصالِ ثواب سے نفع پہنچتا ہے؟ کسی کے انتقال پر تیجہ، دسواں اور چہلم کیا جاتا ہے نیز اکثر جمعرات کو فاتحہ دلائی جاتی ہے اسکی کیا اصل ہے؟ یہ بھی فرمائیے کہ کیا دوسروں کو ثواب بخش دینے سے ہمیں کوئی ثواب نہیں ملتا؟

جواب: ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ''عرض کرتے ہیں، اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے''۔ (الحشر: ۱۰، کنزالایمان)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان اپنی مغفرت کے ساتھ اپنے مرحوم دینی بھائیوں کی مغفرت کی بھی دعا مانگتے ہیں۔ ایصالِ ثواب دعائے مغفرت ہی کی ایک صورت ہے جو متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ نبوی میں سوال کیا، یارسول اللہ ﷺ! میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا، اگر میں انکے لیے صدقہ خیرات کروں تو کیا انہیں ثواب پہنچے گا؟ ارشاد فرمایا، ہاں انہیں ثواب ضرور پہنچے گا۔ (بخاری، مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! ہم اپنے مُردوں کے لیے دعائیں، صدقات و خیرات اور حج کرتے ہیں کیا یہ چیزیں انہیں پہنچتی ہیں؟ فرمایا، ہاں ضرور پہنچتی ہیں اور وہ ان سے ایسے خوش ہوتے ہیں جیسے تم ایک دوسرے کے ہدیے سے خوش ہوتے ہو۔ (مسند احمد)

اہلسنت کے نزدیک مالی اور بدنی دونوں قسم کی عبادات کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں سے فرمایا، تم میں سے کون اس بات کی ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ مسجد عشار میں میرے لیے دو چار رکعات نفل پڑھ دے اور کہے کہ یہ نماز ابوہریرہ کے (ایصالِ ثواب کے) لیے ہے۔ (ابوداؤد)

معلوم ہوا کہ بدنی عبادت یعنی نماز کا ثواب بھی کسی دوسرے کو بخشنا جائز ہے خواہ زندہ کو ہی ایصالِ ثواب کیا جائے۔ ان احادیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایصالِ ثواب سے مُردوں کو نفع ہوتا ہے۔

رسولِ معظم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، جب انسان مرجاتا ہے تو اسکے اعمال کا سلسلہ بھی ختم ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے جنکا ثواب اسے ملتا رہتا ہے۔ اول صدقہء جاریہ، دوم وہ علم جس سے لوگوں کو نفع پہنچتا رہے، سوم وہ نیک اولاد جو اسکے لیے دعا کرتی رہے۔ (مسلم)

یہ حدیث پاک بھی زندوں کے اعمال سے میّت کو نفع پہنچنے کی بہترین دلیل ہے۔ آقا ومولیٰ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، دین خیر خواہی ہے، اللہ تعالیٰ، اسکے رسول ﷺ اور اسکی

کتاب کی، ائمہ دین کی اور عام مسلمانوں کی۔ (مسلم) مسلمانوں کی خیر خواہی اور بھلائی چاہنے کی انکے وصال کے بعد یہی صورت ہے کہ انکے لیے دعائے مغفرت کی جائے اور ایصالِ ثواب کے ذریعے انہیں فائدہ پہنچایا جائے۔

تیجہ، دسواں، چالیسواں اور برسی وغیرہ سب ایصالِ ثواب ہی کی مختلف صورتیں ہیں، ان میں میت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم کی تلاوت، کلمہ طیبہ، درود شریف، اِستغفار اور ذکرو اذکار کے علاوہ صدقہ خیرات کیا جاتا ہے جو سب نیک کام ہیں اور سنتِ مطہرہ سے ثابت ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا، "قبر میں میت ڈوبتے ہوئے فریادی کی طرح ہوتی ہے کہ اپنے ماں باپ بھائی یا دوست کی دعائے خیر پہنچنے کی منتظر رہتی ہے پھر جب اسے دعا پہنچ جاتی ہے تو اسے یہ دعا دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ زمین والوں کی دعا سے قبر والوں کو ثواب کے پہاڑ دیتا ہے، یقیناً مُردوں کے لیے زندوں کا تحفہ دعائے مغفرت ہے"۔ (مشکوٰۃ)

جب کوئی مسلمان وفات پاتا ہے تو اسے زندوں کی طرف سے شروع کے دنوں میں ایصالِ ثواب کی زیادہ حاجت ہوتی ہے اسی لیے اسکی وفات سے ہی ایصالِ ثواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میت کے انتقال کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جائے۔ پھر فرماتے ہیں، بعض روایات میں آیا ہے کہ جمعہ کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اسکی طرف سے اسکے گھر والے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔ (اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور) ہر جمعرات کو فاتحہ کرنے کی اصل یہی ہے۔

انوارِ ساطعہ میں ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایصالِ ثواب کے لیے تیسرے، ساتویں اور چالیسویں دن اور سال بعد بھی صدقہ دیا۔ علماء کرام نے اس سے سوئم، چہلم اور برسی کی اصل بیان کی ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے سوئم کے متعلق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں صفحہ ۸۰ پر لکھتے ہیں،

جب کوئی مسلمان وفات پاتا ہے تو اسے زندوں کی طرف سے شروع کے دنوں میں ایصالِ ثواب کی زیادہ حاجت ہوتی ہے اسی لیے اسکی وفات سے ہی ایصالِ ثواب کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میت کے انتقال کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جائے۔ پھر فرماتے ہیں، بعض روایات میں آیا ہے کہ جمعہ کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اسکی طرف سے اسکے گھر والے صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔

(اشعۃ اللمعات باب زیارۃ القبور)

ہر جمعرات کو فاتحہ کرنے کی اصل یہی ہے۔

انوارِ ساطعہ میں ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے حضرت سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ایصالِ ثواب کے لیے تیسرے، ساتویں اور چالیسویں دن اور سال بعد بھی صدقہ دیا۔ علماء کرام نے اس سے سوئم، چہلم اور برسی کی اصل بیان کی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے سوئم کے متعلق شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنے ملفوظات میں صفحہ ۸۰ پر لکھتے ہیں،

"تیسرے دن لوگوں کا اسقدر ہجوم تھا کہ شمار نہیں ہوسکتا۔ اکیاسی (۸۱) قرآن کریم تلاوت کیے گئے اور زیادہ بھی ہوئے ہونگے، کلمہ طیبہ کا تو اندازہ ہی نہیں"۔

معلوم ہوا کہ تیجہ دسواں اور چالیسواں وغیرہ مسلمانوں میں صدیوں سے رائج ہیں۔ ان دنوں کی تخصیص کو کوئی شرعی نہیں سمجھتا اور نہ ہی کوئی یہ کہتا ہے کہ بس اسی دن اور تاریخ کو ایصالِ ثواب کیا جائے تو پہنچے گا ورنہ نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی تلاوت اور خیرات وغیرہ کا سلسلہ تو میت کے انتقال کے وقت سے ہی شروع ہوجاتا ہے۔

چونکہ شرعاً تعزیت کا وقت تین دن تک ہے۔ اس لیے تعزیت کے آخری دن لوگ زیادہ تعداد میں جمع ہوکر تلاوتِ قرآن اور کلمہ طیبہ پڑھ کر میت کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ دن کا تعین کرنے میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ مقررہ تاریخ اور وقت پر لوگوں کو جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اس طرح سب اجتماعی دعا میں شریک ہوجاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ رحمۃ القوی فرماتے ہیں،

"تیسرے دن کی خصوصیت بھی شرعی اور عرفی مصلحتوں کی بنا پر ہے..... شریعت میں تو ثواب پہنچانا ہے، دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن، جب چاہیں ایصالِ ثواب کر یں..... البتہ یہ ضروری ہے کہ میت کا کھانا صرف فقراء میں تقسیم کیا جائے، غنی لوگ اس میں سے نہ لیں۔ باقی جو بیہودہ باتیں لوگوں نے نکالی ہیں مثلاً اس میں شادی کے سے تکلف کرنا، عمدہ عمدہ فرش بچھانا وغیرہ بیجا باتیں ہیں اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ثواب تیسرے دن ہی پہنچتا ہے یا اس دن زیادہ پہنچے گا دوسرے دنوں میں کم، تو یہ عقیدہ بھی غلط ہے۔ اسی طرح سوئم کے لیے چنوں کا ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی چنے بانٹنے کے سبب کوئی برائی پیدا ہوتی ہے"۔ (فتاویٰ رضویہ، ملخصاً)

مالی و بدنی عبادات کا ثواب مُردوں کو پہنچا دینے سے ایصالِ ثواب کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ سب کو پورا پورا ثواب ملے گا، یہ نہیں کہ وہی ثواب تقسیم ہوکر سب کو ٹکڑا ٹکڑا ملے۔ (ردالمختار)

بلکہ امید یہ ہے کہ اس ثواب پہنچانے والے کو ان سب کے مجموعہ کے برابر ثواب ملے۔ مثلاً کوئی نیک کام کیا جس کا ثواب دس گنا ہے۔ اس نے اس کا ثواب دس مُردوں کو بخش دیا تو ہر ایک کو دس دس ملیں گے اور اس کو ایک سو دس۔ اور اگر ہزار کو پہنچایا تو اسے دس ہزار دس۔

(فتاویٰ رضویہ)

☆☆☆☆☆

باب ہشتم : بدعت کا فلسفہ

☆بدعت کی تعریف واقسام☆

سوال: بدعت کسے کہتے ہیں؟ اس کی کتنی اقسام ہیں؟ قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب: بدعت کے لغوی معنی "نئی چیز ایجاد کرنے" کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ہر وہ بات جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ اقدس کے بعد پیدا ہو، بدعت ہے۔

صدرُ الشریعہ علامہ مولانا امجد علی قادری رحمہ اللہ بدعت کی اقسام کے متعلق فرماتے ہیں،

بدعتِ مذمومہ وقبیحہ (یعنی بری بدعت) وہ ہے جو کسی سنت کے مخالف ومزاحم ہو اور یہ مکروہ یا حرام ہے۔ مطلق بدعت تو مستحب بلکہ سنت بلکہ واجب تک ہوتی ہے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تراویح کی نسبت فرماتے ہیں، نعمۃِ البدعۃُ ھٰذہٖ (صحیح مسلم) یہ اچھی بدعت ہے حالانکہ تراویح سنتِ مؤکدہ ہے۔ جس کام کی اصل شرع شریف سے ثابت ہو وہ ہرگز بدعتِ قبیحہ نہیں ہوسکتا۔

(بہارِ شریعت حصہ اول ص ۵۱)

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا، "اور راہب بننا، تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی، ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی، ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی پھر اسے نہ نباہا جیسا کہ اسکے نباہنے کا حق تھا، تو انکے ایمان والوں کو ہم نے ان کا ثواب عطا کیا"۔

(الحدید: ۲۷، کنزالایمان)

اس کی تفسیر میں صدرُ الافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی قدس سرہٗ فرماتے ہیں، "اس آیت سے معلوم ہوا کہ بدعت یعنی دین میں کسی بات کا نکالنا اگر وہ بات نیک ہو اور اس سے رضائے الٰہی مقصود ہو تو بہتر ہے، اس پر ثواب ملتا ہے اور اسکو جاری رکھنا چاہیے، ایسی بدعت کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔ البتہ دین میں بری بات نکالنا بدعتِ سیئہ کہلاتا ہے وہ ممنوع اور ناجائز ہے۔ بدعتِ سیئہ حدیث شریف میں وہ بتائی گئی ہے جو خلافِ سنت ہو، اسکے نکالنے سے کوئی سنت اٹھ جائے۔

اس سے ہزار ہا مسائل کا فیصلہ ہوجاتا ہے جن میں آج کل لوگ اختلاف کرتے ہیں اور اپنی ہوائے نفسانی سے ایسے امورِ خیر کو بدعت بتا کر منع کرتے ہیں جن سے دین کی تقویت وتائید ہوتی ہے اور مسلمانوں کو اخروی فوائد پہنچتے ہیں اور وہ طاعات وعبادات میں ذوق وشوق کے ساتھ مشغول رہتے ہیں ایسے امور کو (بری) بدعت بتانا قرآن مجید کی اس آیت کے صریح خلاف ہے"۔ (خزائن العرفان)

اپنے دل کی خوشی سے کوئی کام کرنا "تطوّع" کہلاتا ہے اسے فقہی اصطلاح میں مستحب کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں اس بارے میں ارشاد ہوا، "جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی، تو اللہ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا"۔ (البقرہ: ۱۵۸) دوسری جگہ فرمایا گیا، "پھر جو خوشی سے کرے نیکی تو اچھا ہے اسکے واسطے"۔ (البقرہ: ۱۸۴، کنزالایمان)

ان آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مومن اپنی خوشی سے کوئی بھی اچھا کام اختیار کرسکتا ہے خواہ وہ کام نیا ہی کیوں نہ ہو؛ اس پر احادیثِ صحیحہ بھی گواہ ہیں۔

صحیح بخاری جلد دوم میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ان سے عرض کی، جنگ یمامہ میں کثیر حفاظ صحابہ شہید ہوگئے، اگر یونہی جنگوں میں حافظ شہید ہوتے رہے تو قرآن کی حفاظت مسئلہ بن جائے گی اسلیے میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کو (کتابی صورت میں) جمع کرنے کا حکم دیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں وہ کام کس طرح کروں جو رسول معظم ﷺ نے نہیں کیا؟ آپ نے عرض کی، اگرچہ یہ کام حضور ﷺ نے نہیں کیا مگر خدا کی قسم یہ کام بہتر ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمر (رضی اللہ عنہ) زور دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا اور میں انکی رائے سے متفق ہوگیا۔

پھر آپ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلا کر اس کام کا حکم دیا تو انہوں نے بھی یہی عرض کی، آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں جو آقا ﷺ نے نہیں کیا؟ اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، خدا کی قسم یہ کام بھلائی کا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انکا سینہ بھی کھول دیا اور انہوں نے قرآن عظیم جمع کیا۔

اس حدیث کے تحت چودھویں صدی ہجری کے مجدد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

"جب زید بن ثابت، صدیق اکبر اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم (رضی اللہ عنہم) پر اعتراض کیا تو ان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہونا تو پچھلے زمانہ میں ہوگا، ہم صحابہ ہیں، ہمارا زمانہ خیرُ القرون سے ہے؛ بلکہ یہی جواب دیا کہ یہ کام اگرچہ حضور اقدس ﷺ نے نہ کیا مگر یہ اپنی ذات میں بھلائی کا کام ہے پس کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے اور اسی پر صحابہ کرام کی رائے متفق ہوئی اور قرآن عظیم باتفاق حضرات صحابہ کرام جمع ہوا۔ (اقامۃ القیامۃ ص ۳۹)

بدعت کے بُری ہونے کے لیے دورِ صحابہ کے بعد ہونا شرط نہیں چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تقدیر کے منکر کو بدعتی قرار دیا اور اسے سلام کرنے سے منع فرمادیا۔

(مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں رقمطراز ہیں،

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما چاشت کی نسبت فرماتے ہیں،'' بیشک وہ بدعت ہے اور کیا ہی عمدہ بدعت ہے اور بیشک وہ ان بہتر چیزوں میں سے ہے جو لوگوں نے نئی نکالیں''۔

سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، تم لوگوں نے قیامِ رمضان نیا نکالا، تو اب جو نکالا ہے تو ہمیشہ کیے جاؤ اور کبھی نہ چھوڑنا۔ دیکھو یہاں تو صحابہ کرام نے ان افعال کو بدعت کہہ کر حسن کہا اور انہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مسجد میں ایک شخص کو تھویب کہتے سن کر اپنے غلام سے فرمایا،'' نکل چل ہمارے ساتھ اس بدعتی کے پاس سے''۔

سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو نماز میں بسم اللہ باآوازِ بلند پڑھتے سن کر فرمایا، اے میرے بیٹے! یہ نو پیدا بات ہے، بچ نئی باتوں سے۔ یہ فعل بھی اسی زمانے میں واقع ہوئے تھے، انہیں بدعت کہہ کر بدعتِ سیۂ مذمومہ ٹھہرایا، تو معلوم ہوا کہ صحابہ کے نزدیک بھی اپنے زمانے میں ہونے یا نہ ہونے پر (بدعت کا) دارومدار نہ تھا بلکہ وہ نفسِ فعل کو دیکھتے، اگر اس میں کوئی محذورِ شرعی نہ ہوتا تو اجازت دیتے ورنہ منع فرماتے، اور یہی طریقہ تابعین وتبع تابعین کے زمانہ میں رائج رہا ہے''۔ (اقامۃ القیامۃ ص ۳۸)

حبیبِ کبریا علیہ التحیۃ والثناء کا فرمانِ عالیشان ہے،'' جس نے اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اسکے لیے اسکا ثواب ہے اور اسکے بعد اس پر عمل کرنے والوں کی مثل بھی اسے ثواب ہوگا اور ان بعد والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور جس نے اسلام میں برا طریقہ ایجاد کیا اس پر اسکا گناہ ہے اور اسکے بعد اس پر عمل کرنے والوں کا بھی گناہ ہوگا جبکہ ان بعد والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی''۔ (مسلم)

شارح مسلم، امام نووی فرماتے ہیں،'' اس سے معلوم ہوا کہ اچھے امور کا ایجاد کرنا مستحب ہے اور برے امور کا ایجاد کرنا حرام ہے''۔

نئے امور کی ایجاد کے لیے آقا ومولیٰ ﷺ نے چند شرائط بیان فرمائی ہیں جن پر ان نئے کاموں کے اچھے یا برے ہونے کا دارومدار ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے، بہترین کلام اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقہ ہے اور بدترین امور وہ ہیں جو نئے ایجاد ہوں اور ہر نئی چیز گمراہی ہے۔ (مسلم)

دوسری حدیث میں ارشاد ہوا، جس نے ہمارے دین میں وہ چیز ایجاد کی جو اس میں نہیں، وہ مردود ہے۔ (بخاری) ایک اور جگہ فرمایا، میری اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت تم پر لازم ہے، اسکو نہایت مضبوطی سے تھام لو اور نئی باتوں سے بچو کیونکہ ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ وہ نئے عقائد یا اعمال جو قرآن کریم یا سیرتِ مصطفےٰ ﷺ یا سیرتِ خلفائے راشدین کے خلاف ہوں یا جن کی اصل دین میں موجود نہ ہو، وہ سب بدعتِ سیۂ اور گمراہی ہیں۔

امام عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں، بدعت اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جسکی خوبی شرع سے ثابت ہے تو وہ اچھی ہے اور اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی برائی شرع سے ثابت ہے تو وہ بری ہے اور جو دونوں میں سے کسی سے متعلق نہ ہو وہ مباح ہے۔

امام بیہقی امام شافعی (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ نئی باتیں دو قسم کی ہیں ایک وہ کہ قرآن یا احادیث یا آثار یا اجماع کے خلاف ہوں یہ بدعت گمراہی ہیں دوسری وہ جو خیر پر مبنی ہوں اور ان کے خلاف نہ ہوں وہ بری نہیں ہیں۔ (اقامۃ القیامۃ ص ۴۳)

مذکورہ آیات واحادیث مبارکہ اور ائمہ دین کے اقوال سے ثابت ہوگیا کہ جو بدعت قرآن وسنت کے خلاف ہو اسے بدعتِ سیۂ اور جو انکے خلاف نہ ہو اسے بدعتِ حسنہ کہتے ہیں۔

محدث علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ بدعت کی اقسام کے متعلق فرماتے ہیں،'' بدعت یا تو واجب ہے جیسے کہ علم نحو کا سیکھنا اور اصولِ فقہ کا جمع کرنا؛ اور یا حرام ہے جیسے کہ جبریہ مذہب؛ اور یا مستحب ہے جیسے کہ مسجدوں کو نقش ونگار سے زینت دینا؛ اور یا جائز ہے جیسے فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں میں وسعت کرنا''۔ (مرقاۃ)

اگر بدعاتِ حسنہ اور سیۂ کا فرق نہ کیا جائے تو موجودہ دور کے بیشتر کام جو ثواب سمجھ کر کیے جاتے ہیں معاذ اللہ حرام ہو جائیں گے حالانکہ محفلِ میلاد اور گیارھویں شریف کو بدعت وحرام کہنے والے خود ان کاموں کو ثواب کا باعث سمجھتے ہیں۔

مثلاً قرآن کریم خطِ نسخ میں لکھنا، اسکے الفاظ پر اعراب ڈالنا، تیس پاروں میں تقسیم کرنا، اسکے مختلف زبانوں میں ترجمے کرنا، گاڑیوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعے حج کا سفر کرنا اور اسکے لیے پاسپورٹ ویزا جاری کرانا، تفسیر وحدیث وفقہ کی کتابیں، دارالعلوم کا نصاب، نماز یا دینی علوم پڑھانے کی تنخواہ لینا، طلبہ کا امتحان لینا، تقسیم اسناد کا جلسہ، مساجد میں محراب وگنبد اور مینار بنانا، ان میں ماربل کے فرش اور قالین بچھانا، بجلی کے پنکھے، لائیٹیں وغیرہ لگانا، ایئر کنڈیشنر اور گیزر لگانا وغیرہ بیشمار نئے کام ایسے ہیں جنہیں کارِ ثواب سمجھ کر منکرین نہ صرف خود کرتے ہیں بلکہ ان بدعتوں کے لیے چندے کی اپیلیں بھی کرتے ہیں۔

یہ امر باعثِ افسوس ہے کہ فی الواقع جو بری بدعات مسلمانوں میں رائج ہوگئی ہیں مثلاً داڑھی منڈانا، عورتوں کا بے پردہ بن سنور کر نکلنا، مرد وعورت کا باہم مشابہت کرنا، گانے بجانے کی مجلسیں، وی سی آر، ڈش اینٹینا، تصویر سازی، کھڑے ہوکر کھانا پینا، یہود ونصاریٰ کی مشابہت اختیار کرنا وغیرہ ان بدعات کی مخالفت کرنے کی بجائے مخالفین ان نیک ومستحب کاموں کو کیوں بدعتِ سیۂ وحرام قرار دیتے ہیں جن سے دلوں میں آقائے دوجہاں ﷺ کی محبت وعظمت کی روشنیاں پھیلتی ہیں اور محبوبانِ خدا سے عقیدت کا تعلق مضبوط ہوتا ہے۔

باری تعالیٰ ایسے گمراہوں کو عقلِ سلیم اور ہدایت عطا فرمائے آمین۔

☆☆☆☆☆

باب نہم : شعائرِ اہلسنت

☆عید میلادُ النبی ﷺ☆

سوال: بعض لوگ عید میلاد النبی ﷺ منانے اور محافلِ میلاد منعقد کرنے کو بدعت وحرام کہتے ہیں۔قرآن وسنت اور ائمہ دین کے اقوال کی روشنی میں عید میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت بیان فرمائیے۔

جواب: بارہ ربیع الاول کو آقائے دوجہاں ﷺ کی ولادتِ باسعادت کی خوشی میں پورے عالمِ اسلام میں محافلِ میلاد منعقد کی جاتی ہیں۔حضور اکرم ﷺ کا میلاد منانا جائز ومستحب ہے اور اس کی اصل قرآن وسنت سے ثابت ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا،''اور انہیں اللہ کے دن یاد دلاؤ''۔(ابراھیم:۵)

امام المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ایام اللہ سے مراد وہ دن ہیں جن میں رب تعالیٰ کی کسی نعمت کا نزول ہوا ہو۔

''ان ایام میں سب سے بڑی نعمت کے دن سید عالم ﷺ کی ولادت ومعراج کے دن ہیں، ان کی یاد قائم کرنا بھی اس آیت کے حکم میں داخل ہے''۔(تفسیر خزائن العرفان)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم نعمت نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مقدسہ ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا،''بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا''۔(ال عمران:۱۶۴)

آقا ومولیٰ ﷺ تو وہ عظیم نعمت ہیں کہ جن کے ملنے پر رب تعالیٰ نے خوشیاں منانے کا حکم بھی دیا ہے۔ارشاد ہوا،

''(اے حبیب!) تم فرماؤ (یہ) اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت (سے ہے) اور اسی پر چاہیے کہ خوشی کریں، وہ (خوشی منانا) انکے سب دھن دولت سے بہتر ہے''۔(یونس:۵۸)

ایک اور مقام پر نعمت کا چرچا کرنے کا حکم بھی ارشاد فرمایا،''اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو''۔(الضحیٰ:۱۱، کنز الایمان)

خلاصہ یہ ہے کہ عیدِ میلاد منانا لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دن یاد دلانا بھی ہے، اسکی نعمتِ عظمیٰ کا چرچا کرنا بھی اور اس نعمت کے ملنے کی خوشی منانا بھی۔اگر ایمان کی نظر سے قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ذکرِ میلادِ مصطفےٰ ﷺ اللہ تعالیٰ کی سنت بھی ہے اور رسولِ کریم ﷺ کی سنت بھی۔

سورہ اٰل عمران کی آیت ۸۱ ملاحظہ کیجیے۔ربِ ذوالجلال نے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کی محفل میں اپنے حبیبِ لبیب ﷺ کی آمد اور فضائل کا ذکر فرمایا۔گویا یہ سب سے پہلی محفلِ میلاد تھی جسے اللہ تعالیٰ نے منعقد فرمایا اور اس محفل کے شرکاء صرف انبیاء کرام علیہم السلام تھے۔حضور ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری اور فضائل کا ذکر قرآن کریم کی متعدد آیاتِ کریمہ میں موجود ہے۔

رسولِ معظم نورِ مجسم ﷺ کے مبارک زمانہ کی چند محافلِ میلاد کا ذکر ملاحظہ فرمائیے۔

آقا ومولیٰ ﷺ نے خود مسجد نبوی میں منبر شریف پر اپنا ذکرِ ولادت فرمایا۔(جامع ترمذی ج ۲ص ۲۰۱) آپ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے لیے منبر پر چادر بچھائی اور انہوں نے منبر پر بیٹھ کر نعت شریف پڑھی، پھر آپ نے انکے لیے دعا فرمائی۔(صحیح بخاری ج ۱ص ۶۵) حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے غزوہ تبوک سے واپسی پر بارگاہِ رسالت میں ذکرِ میلاد پر مبنی اشعار پیش کیے۔(اسدُ الغابہ ج ۲ص ۱۲۹)

اسی طرح حضرات کعب بن زہیر، سواد بن قارب، عبداللہ بن رواحہ، کعب بن مالک ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نعتیں کتبِ احادیث وسیرت میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

بعض لوگ یہ وسوسہ اندازی کرتے ہیں کہ اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں لہٰذا تیسری عید حرام ہے (معاذ اللہ)۔اس نظریہ کے باطل ہونے کے متعلق قرآن کریم سے دلیل لیجیے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

''عیسیٰ بن مریم نے عرض کی، اے اللہ! اے ہمارے رب! ہم پر آسمان سے ایک (کھانے کا) خوان اتار کہ وہ ہمارے لیے عید ہو ہمارے اگلوں پچھلوں کی''۔(المائدہ:۱۱۴، کنز الایمان)

صدرُ الافاضل فرماتے ہیں،''یعنی ہم اسکے نزول کے دن کو عید بنائیں، اسکی تعظیم کریں، خوشیاں منائیں، تیری عبادت کریں، شکر بجالائیں۔اس سے معلوم ہوا کہ جس روز اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو اس دن کو عید بنانا اور خوشیاں منانا، عبادتیں کرنا اور شکر بجالانا صالحین کا طریقہ ہے اور کچھ شک نہیں کہ سیدِ عالم ﷺ کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین رحمت ہے اسلیے حضور ﷺ کی ولادتِ مبارکہ کے دن عید منانا اور میلاد شریف پڑھ کر شکرِ الٰہی بجالانا اور اظہارِ فرح اور سُرور کرنا مستحسن ومحمود اور اللہ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے''۔(تفسیر خزائن العرفان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ تلاوت فرمائی تو ایک یہودی نے کہا، اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید مناتے۔اس پر آپ نے فرمایا، یہ آیت جس دن نازل ہوئی اس دن دو عیدیں تھیں، عیدِ جمعہ اور عیدِ عرفہ۔(ترمذی)

پس قرآن وحدیث سے ثابت ہوگیا کہ جس دن کوئی خاص نعمت نازل ہو اس دن عید منانا جائز بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقرب نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کی سنت ہے۔ چونکہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ حضور ﷺ ہی کے صدقے میں ملی ہیں اسلیے آپ کا یومِ میلاد بدرجہ اولیٰ عید قرار پایا۔

عیدِ میلاد پہ ہوں قربان ہماری عیدیں
کہ اسی عید کا صدقہ ہیں یہ ساری عیدیں

شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ اکابر ائمہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ شبِ میلادِ مصطفےٰ ﷺ شبِ قدر سے افضل ہے؛ کیونکہ شبِ قدر میں قرآن نازل ہوا اسلیے وہ ہزار مہینوں سے بہتر قرار پائی تو جس شب میں صاحبِ قرآن آیا وہ کیونکر شبِ قدر سے افضل نہ ہوگی؟ (ماثبت بالسنۃ)

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اُس دل افروز ساعت پہ لاکھوں سلام

صحیح بخاری جلد دوم میں ہے کہ ابولہب کے مرنے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسے خواب میں بہت بری حالت میں دیکھا اور پوچھا، مرنے کے بعد تیرا کیا حال رہا؟ ابولہب نے کہا، تم سے جدا ہو کر میں نے کوئی راحت نہیں پائی سوائے اسکے کہ میں تھوڑا سا سیراب کیا جاتا ہوں کیونکہ میں نے محمد (ﷺ) کی پیدائش کی خوشی میں اپنی لونڈی ثویبہ کو آزاد کیا تھا۔

امام ابن جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

جب حضور ﷺ کے میلاد کی خوشی کی وجہ سے ابولہب جیسے کافر کا یہ حال ہے کہ اسکے عذاب میں کمی کر دی جاتی ہے حالانکہ اسکی مذمت میں قرآن نازل ہوا تو حضور ﷺ کے مومن امتی کا کیا حال ہوگا جو میلاد کی خوشی میں حضور کی محبت کے سبب مال خرچ کرتا ہے۔ قسم ہے میری عمر کی، اسکی جزا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے اپنے فضل و کرم سے جنتِ نعیم میں داخل فرما دے۔ (مَوَاہِبُ اللَّدُنِّیہ ج ا ص ۲۷، مطبوعہ مصر)

اب ہم یہ جائزہ لیتے ہیں کہ خالقِ کائنات نے اپنے محبوب رسول ﷺ کا جشنِ عیدِ میلاد کیسے منایا؟

سیرتِ حلبیہ ج ا ص ۷۸ اور خصائصِ کبریٰ ج ا ص ۴۷ پر یہ روایت موجود ہے کہ ''جس سال نورِ مصطفےٰ ﷺ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کو ودیعت ہوا وہ سال فتح و نصرت، ترو تازگی اور خوشحالی کا سال کہلایا۔ اہلِ قریش اس سے قبل معاشی بدحالی اور قحط سالی میں مبتلا تھے حضور ﷺ کی ولادت کی برکت سے اس سال رب کریم نے ویران زمین کو شادابی اور ہریالی عطا فرمائی، سوکھے درخت پھلوں سے لد گئے اور اہل قریش خوشحال ہو گئے''۔ اہلسنت اسی مناسبت سے میلادِ مصطفےٰ ﷺ کی خوشی میں اپنی استطاعت کے مطابق کھانے، شیرینی اور پھل وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔

عیدِ میلادالنبی ﷺ کے موقع پر شمع رسالت کے پروانے چراغاں بھی کرتے ہیں، اسکی اصل مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ ہیں؛

آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، ''میری والدہ ماجدہ نے میری پیدائش کے وقت دیکھا کہ اُن سے ایسا نور نکلا جس سے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے''۔ (مشکوٰۃ)

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ''جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو ساتھ ہی ایسا نور نکلا جس سے مشرق سے مغرب تک ساری کائنات روشن ہو گئی''۔ (طبقاتِ ابن سعد ج ا ص ۱۰۲، سیرتِ حلبیہ ج ا ص ۹۱)

ہم تو عیدِ میلاد کی خوشی میں اپنے گھروں اور مساجد پر چراغاں کرتے ہیں، خالقِ کائنات نے نہ صرف ساری کائنات میں چراغاں کیا بلکہ آسمان کے ستاروں کو فانوس اور قمقمے بنا کر زمین کے قریب کر دیا۔

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کی والدہ فرماتی ہیں، ''جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی میں خانہ کعبہ کے پاس تھی، میں نے دیکھا کہ خانہ کعبہ نور سے روشن ہو گیا اور ستارے زمین کے اتنے قریب آ گئے کہ مجھے یہ گمان ہوا کہ کہیں وہ مجھ پر گر نہ پڑیں''۔ (سیرتِ حلبیہ ج ا ص ۹۴، خصائصِ کبریٰ ج ا ص ۴۰، زرقانی علی المواہب ج ا ص ۱۱۴)

سیّدَتُنا آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ''میں نے تین جھنڈے بھی دیکھے، ایک مشرق میں گاڑا گیا تھا دوسرا مغرب میں اور تیسرا جھنڈا خانہ کعبہ کی چھت پر لہرا رہا تھا''۔ (سیرتِ حلبیہ ج ا ص ۱۰۹)

یہ حدیث ''الوفا باحوال المصطفےٰ ﷺ'' میں محدث ابن جوزی نے بھی روایت کی ہے۔ اس سے میلادالنبی ﷺ کے موقع پر جھنڈے لگانے کی اصل بھی ثابت ہوئی۔

عیدِ میلادالنبی ﷺ کے موقع پر جلوس بھی نکالا جاتا ہے اور نعرہ رسالت بلند کیے جاتے ہیں۔ اس کی اصل یہ حدیث پاک ہے کہ:

جب آقا و مولیٰ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہلیانِ مدینہ نے جلوس کی صورت میں استقبال کیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مرد اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور بچے اور خُدام گلیوں میں پھیل گئے، یہ سب باآوازِ بلند کہہ رہے تھے، یا محمد یا رسول اللہ، یا محمد یا رسول اللہ۔ (ﷺ) (صحیح مسلم جلد دوم باب الھجرۃ)

جشنِ عیدِ میلادُ النبی ﷺ کی شرعی حیثیت بیان کرنے کے بعد اب چند تاریخی حوالہ جات پیشِ خدمت ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ محافلِ میلاد کا سلسلہ عالمِ اسلام میں ہمیشہ سے جاری ہے۔

محدث ابن جوزی رحمہ اللہ (متوفی ۵۹۷ھ) فرماتے ہیں،

''مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، یمن، مصر، شام اور تمام عالمِ اسلام کے لوگ مشرق سے مغرب تک ہمیشہ سے حضور اکرم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے موقع پر محافلِ میلاد کا انعقاد کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہتمام آپ ﷺ کی ولادت کے تذکرے کا کیا جاتا ہے اور مسلمان ان محافل کے ذریعے اجرِ عظیم اور بڑی روحانی کامیابی پاتے ہیں''۔ (المیلاد النبوی ص ۵۸)

امام ابن حجر شافعی رحمہ اللہ (م ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں،''محافلِ میلاد و اذکار اکثر خیر ہی پر مشتمل ہوتی ہیں کیونکہ ان میں صدقات، ذکرِ الٰہی اور بارگاہِ نبوی میں درود و سلام پیش کیا جاتا ہے''۔ (فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۲۹)

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ (م ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں،''میرے نزدیک میلاد کے لیے اجتماع تلاوتِ قرآن، حیاتِ طیبہ کے واقعات اور میلاد کے وقت ظاہر ہونے والی علامات کا تذکرہ ان بدعاتِ حسنہ میں سے ہے جن پر ثواب ملتا ہے کیونکہ اسمیں حضور ﷺ کی تعظیم اور آپ کی ولادت پر خوشی کا اظہار ہوتا ہے''۔

(حسن المقصد فی عمل المولد فی الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۱۸۹)

امام قسطلانی شارح بخاری رحمہ اللہ (م ۹۲۳ھ) فرماتے ہیں،

''ربیع الاول میں تمام اہلِ اسلام ہمیشہ سے میلاد کی خوشی میں محافل منعقد کرتے رہے ہیں۔ محفلِ میلاد کی یہ برکت مجرب ہے کہ اسکی وجہ سے سارا سال امن سے گزرتا ہے اور ہر مراد جلد پوری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحمتیں نازل فرمائے جس نے ماہِ میلاد کی ہر رات کو عید بنا کر ایسے شخص پر شدت کی جس کے دل میں مرض و عناد ہے''۔

(مواہب الدنیہ ج ۱ ص ۲۷)

شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی رحمہ اللہ (والد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ م ۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ میں ہر سال میلاد شریف کے دنوں میں کھانا پکوا کر لوگوں کو کھلایا کرتا تھا۔ ایک سال قحط کی وجہ سے بھنے ہوئے چنوں کے سوا کچھ میسر نہ ہوا، میں نے وہی چنے تقسیم کر دیے۔ رات کو خواب میں آقا و مولیٰ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا تو دیکھا کہ وہی بھنے ہوئے چنے سرکارِ دوعالم ﷺ کے سامنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ بیحد خوش اور مسرور ہیں۔ (الدر الثمین ص ۸)

ان دلائل و براہین سے ثابت ہو گیا کہ میلادُ النبی ﷺ کی محافل منعقد کرنے اور میلاد کا جشن منانے کا سلسلہ امتِ مسلمہ میں صدیوں سے جاری ہے اور اسے بدعت و حرام کہنے والے دراصل خود بدعتی و گمراہ ہیں۔

☆ کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنا ☆

سوال: بدمذہب و گمراہ لوگ کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنے کو بھی بدعتِ سیئہ و حرام بتاتے ہیں۔ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرما دیجیے۔

جواب: ارشادِ باری تعالیٰ ہے،''بیشک اللہ اور اسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے پر، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجو''۔ (الاحزاب: ۵۶)

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے، حبیبِ کبریا ﷺ پر درود بھیج رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو بیٹھنے یا کھڑے ہونے سے پاک ہے کیونکہ یہ مخلوق کی صفات ہیں البتہ بعض فرشتے سجدے کی حالت میں ہیں اور بعض رکوع کی حالت میں، بعض قعود کی حالت میں ہیں اور بعض فرشتے وہ ہیں جو صفیں بنا کر کھڑے ہیں۔ (سورۃ الصّٰفّٰت: ۱) اور سب فرشتے درود بھیج رہے ہیں غیب بتانے والے آقا ﷺ پر۔ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لے کر آج تک تمام مسلمان مواجہ اقدس میں کھڑے ہو کر ہی درود و سلام پیش کرتے آئے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر درود و سلام پیش کرنا بعض ملائکہ کی سنت بھی ہے نیز صحابہ کرام اور تمام زائرینِ بارگاہِ نبوی کا طریقہ بھی یہی ہے۔

اس آیتِ مبارکہ میں کسی خاص وقت یا کسی مخصوص حالت کا ذکر نہ فرمایا گیا بلکہ مطلق حکم دیا گیا تاکہ درود و سلام پڑھنا ہر وقت اور ہر حالت میں جائز قرار پائے ماسوائے اسکے کہ بعض اوقات و مواقع کی ممانعت کا شریعت حکم صادر کرے۔ پس شرعاً ممنوع مواقع کے علاوہ جس وقت اور جس حالت میں درود و سلام پڑھا جائے مذکورہ حکمِ الٰہی کی تعمیل ہوتی ہے۔

مجددِ دین و ملت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کسی بات کو شرع نے پسندیدہ کہا ہے تو جس جگہ، جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہوگی ہمیشہ پسندیدہ رہے گی جب تک کہ کسی خاص صورت کی ممانعت شریعت سے نہ آ جائے۔ مثلاً ذکرِ الٰہی کی خوبی اور اچھائی قرآن و حدیث سے ثابت ہے تو جب کہیں کسی طور خدا کا ذکر کیا جائے گا بہتر ہی ہوگا، ہر ہر حالت کا ثبوت شرع سے ضروری نہیں مگر بیت الخلاء میں بیٹھ کر زبان سے ذکرِ الٰہی کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت ہے۔ غرض یہ کہ جس مطلق بات کی خوبی معلوم ہو اسکی خاص خاص صورتوں کی جدا جدا خوبی ثابت کرنا ضروری نہیں کیونکہ وہ تمام صورتیں اسی مطلق بات کی

ہیں جس کی خوبی ثابت ہوچکی، البتہ کسی خاص صورت کو ناجائز و برا بتانے کے لیے دلیل لانی ہوگی۔

''سب چیزوں کی اصل جائز و مباح ہے'' اس فقہی قانون کے متعلق اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں، جس چیز کی ممانعت شریعت سے ثابت ہے اور اسکی برائی پر شرعی دلیل موجود ہے وہی منع اور ناجائز ہے باقی سب چیزیں جائز و مباح ہیں۔ تو جو شخص کسی فعل کو ناجائز یا حرام یا مکروہ کہے اس پر واجب ہے کہ اپنے دعوے پر دلیل لائے۔ اسے جائز و مباح کہنے والوں کو ہرگز دلیل کی حاجت نہیں کیونکہ ممانعت پر کوئی شرعی دلیل نہ ہونا یہی جواز کے لیے کافی ہے۔

آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام فرمادیا اور جس کے بارے میں خاموشی فرمائی وہ معاف ہے یعنی اسکے فعل پر کچھ مؤاخذہ نہیں۔ (ترمذی، ابن ماجہ، مستدرک للحاکم)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سب چیزوں کی اصل مباح ہونا ہے۔ پھر مزید دلائل دے کر فرماتے ہیں، پس مجلسِ میلاد و قیام (درود و سلام کے لیے کھڑے ہونا) وغیرہ متنازعہ امور کے جواز پر ہمیں کوئی دلیل قائم کرنے کی حاجت نہیں۔ شرع سے ممانعت ثابت نہ ہونا ہی ہمارے لیے دلیل ہے، ہاں تم جو ناجائز و ممنوع کہتے ہو تم ثبوت دو کہ خدا و رسول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز فرمایا ہے؟؟؟ اگر ثبوت نہ دے سکو اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہرگز نہ دے سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے شریعتِ مطہرہ پر بہتان لگایا۔ (اقامۃ القیامۃ، ملخصاً)

دلیل ہے، ہاں تم جو ناجائز وممنوع کہتے ہو، تم ثبوت دو کہ خدا اور رسول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز فرمایا ہے؟؟؟ اگر ثبوت نہ دے سکو اور انشاء اللہ تعالیٰ ہرگز نہ دے سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے شریعتِ مطہرہ پر بہتان لگایا۔ (اقامۃ القیامۃ، ملخصاً)

ارشادِ ربانی ہے، ''جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی جھوٹے ہیں''۔ (النحل:۱۰۵)

اب قرآن مجید واحادیث کریمہ سے مزید دلائل ملاحظہ کیجیے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے، ''رسول کی تعظیم وتوقیر کرو''۔ (الفتح:۹)

تعظیم کی ایک صورت قیام یعنی کھڑے ہونا ہے۔

صحیح بخاری جلد دوم میں ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے لیے صحابہ کرام کو کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ مشکوٰۃ جلد دوم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب مسجد نبوی سے گھر مبارک جانے کے لیے اٹھتے تو سب صحابہ کرام تعظیم وتکریم کے طور پر کھڑے ہوجاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک آپ اپنے حجرہ اقدس میں داخل نہ ہوجاتے۔ معلوم ہوا کہ قیامِ تعظیمی سنت سے ثابت ہے۔

ایک اور آیت کریمہ میں فرمایا گیا،

''اور جب کہا جائے اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو، اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور انکے جن کو علم دیا گیا، درجے بلند فرمائے گا اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے''۔ (المجادلۃ:۱۱، کنز الایمان)

صدرُ الافاضل فرماتے ہیں، ''ذکرِ رسول ﷺ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونا اسی میں داخل ہے''۔ (تفسیر خزائن العرفان)

اہلسنت اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں محبت وتعظیم کے اظہار کے طور پر کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھتے ہیں۔ اسکی ایک وجہ یہ بیان کی جاچکی کہ یہ ملائکہ وصحابہ کی سنت سے ثابت ہے۔ اسکی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ ائمہ دین وصالحین کی بھی سنت ہے۔

علامہ علی بن برہان الدین حلبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نورِ مجسم ﷺ کے ذکر کے وقت قیام کرنا جلیل القدر محدث امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۵۶ھ) سے ثابت ہے اور اس قیام پر انکے ہم عصر مشائخ اسلام نے انکی پیروی کی۔

امام سبکی کے پاس جید علماء ومشائخ کا عظیم اجتماع تھا، اس محفل میں کسی نے امام صرصری کے نعتیہ اشعار پڑھے جنکا ترجمہ یہ ہے، ''اگر بہترین کاتب چاندی کی تختی پر سونے کے پانی سے حضورِ اکرم ﷺ کی تعریف لکھے پھر بھی کم ہے، بیشک عزت وشرف والے لوگ آقا و مولیٰ ﷺ کا ذکرِ جمیل سن کر صف بستہ قیام کرتے ہیں یا گھٹنوں کے بل کھڑے ہوجاتے ہیں''۔

یہ اشعار سن کر امام سبکی اور تمام علماء ومشائخ کھڑے ہوگئے، اسوقت بہت سُرور اور سکون حاصل ہوا۔

(سیرتِ حلبیہ ج ۱ ص ۸۰، طبقات الکبریٰ ج ۱ ص ۲۰۸)

امام المحدثین شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ (م ۱۰۵۲ھ) فرماتے ہیں،

''اے اللہ! میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جسے تیری بارگاہ میں پیش کرنے کے لائق سمجھوں، میرے تمام اعمال میں فسادِ نیت کا خدشہ رہتا ہے البتہ مجھ حقیر فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے نہایت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ میں محفلِ میلاد میں کھڑے ہوکر سلام پڑھتا ہوں اور نہایت عاجزی اور محبت وخلوص سے تیرے حبیب ﷺ پر درود بھیجتا ہوں۔ اے اللہ! وہ کون سا مقام ہے جہاں میلادِ مبارکہ سے زیادہ تیری برکت نازل ہوتی ہے اسلیے اے ارحم الراحمین! مجھے کامل یقین ہے کہ میرا یہ عمل کبھی ضائع نہ جائے گا بلکہ تیری بارگاہ میں یقیناً قبول ہوگا؛ جو کوئی درود وسلام پڑھے اور اسکے وسیلے سے دعا کرے وہ کبھی مسترد نہیں ہوسکتی''۔ (اخبار الاخیار ص ۶۲۴)

اب آخر میں قیام وسلام کو بدعت کہنے والے اپنے اکابرین کے پیر ومرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب کا فرمان بھی سن لیں۔ وہ فرماتے ہیں، ''مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل میلاد میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہء برکات سمجھ کر ہر سال منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں''۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۵)

انہی حاجی صاحب کے نزدیک کسی بھی جگہ محفلِ میلاد میں سرکارِ دوعالم ﷺ کی تشریف آوری کا خیال کرنے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ آقا و مولیٰ ﷺ کا کہیں بھی قدم رنجہ فرمانا کوئی ناممکن بات نہیں۔ آپ فرماتے ہیں، ''اگر احتمالِ تشریف آوری کیا جائے مضائقہ نہیں کیونکہ عالمِ خلق مقید بزمان ومکان ہے لیکن عالمِ اَمر دونوں سے پاک ہے پس قدم رنجہ فرمانا ذاتِ بابرکات کا بعید نہیں''۔ (شمائمِ امدادیہ ص ۹۳)

بعض کم فہم یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ''کیا تم صحابہ وتابعین کرام سے محبت وتعظیم میں زیادہ ہو کہ جو کام انہوں نے نہیں کیا، تم وہ کرتے ہو لہٰذا یہ بدعت وحرام ہے''۔

یہ اعتراض نہایت لغو ہے کیونکہ کئی امور ایسے ہیں جنہیں صحابہ کرام نے یا تابعین نے اختیار کیا، اس سے قبل وہ نیک کام کسی نے نہ کیے تھے، تو کیا ان کاموں کو بدعت وحرام کہا جائے گا؟؟؟

امام قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ کتاب الشفا میں فرماتے ہیں، امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے اور فرماتے، مجھے شرم آتی ہے کہ جس مقدس

سرزمین میں آقائے دوجہاں ﷺ آرام فرما ہوں، میں اسے جانور کے سُم سے روندوں۔ آپ بتائیے کیا صحابہ کرام مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے تھے؟

امام مالک کا معمول تھا کہ فقہ کے مسائل تو کسی اہتمام کے بغیر سکھا دیتے لیکن علمِ حدیث سکھانے کے لیے غسل فرماتے، خوشبو لگاتے، نیا لباس پہنتے، عمامہ باندھتے، انکے لیے دولہا کے تخت کی طرح تخت بچھایا جاتا، اسے خوشبوؤں سے معطر کیا جاتا، پھر آپ اس پر بیٹھ کر حدیث پاک بیان کرتے۔ پوچھنے پر آپ نے فرمایا، میں پسند کرتا ہوں کہ حدیثِ رسول ﷺ کی تعظیم کروں۔ اور میں حدیث بیان نہیں کرتا جب تک وضو کر کے خوب سکون ووقار کے ساتھ نہ بیٹھ جاؤں۔ فرمایئے! امام مالک جو تبع تابعی ہیں ان سے قبل کوئی ایسی مثال پیش کی جاسکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

مذکورہ اعتراض کے جواب میں اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں، یہ اعتراض اگر قابلِ تسلیم ہو تو تبع تابعین پر تابعین کے اعتبار سے، اور تابعین پر صحابہ کے لحاظ سے اور صحابہ کرام پر رسول اللہ ﷺ کے اعتبار سے وارد ہوگا۔ مثلاً جو فعل حضور ﷺ، صحابہ اور تابعین نے نہ کیا اور تبع تابعین نے کیا تو تم اسے بدعت نہیں کہتے۔ تمہاری طرح ہم کہیں گے، اس کام میں بھلائی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ، صحابہ اور تابعین ضرور کرتے، کیا تبع تابعین ان سے زیادہ دین کا اہتمام رکھتے ہیں کہ جو انہوں نے نہ کیا وہ یہ کریں گے۔ اسی طرح تابعین کے زمانے میں جو کچھ پیدا ہوا، اس پر کہا جائے گا کہ یہ بہتر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کیوں نہ کرتے تابعین کیا ان سے بڑھ کر ہیں؟ علیٰ ھذا القیاس جونئی باتیں صحابہ کرام نے کیں، ان میں بھی تمہاری طرح کہا جائے گا، کیا رسول اللہ ﷺ کو معاذ اللہ ان کاموں کی خوبی معلوم نہ ہوئی یا صحابہ کرام کی نیک کاموں پر زیادہ توجہ تھی۔

معلوم ہوا کہ اس لغو اعتراض کی بنا پر عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ تمام صحابہ وتابعین بھی بدعتی قرار پاتے ہیں حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ کسی کام کو کرنا اور چیز ہے اور منع کرنا اور چیز۔ حضور ﷺ نے اگر ایک کام نہ کیا اور اس کو منع بھی نہ فرمایا، تو صحابہ کرام کے لیے کون سی چیز ممانعت کا باعث ہے کہ وہ اسے نہ کریں، اور اگر کوئی کام صحابہ نہ کریں تو تابعین کے لیے کون سی شرعی پابندی ہے، اور اگر وہ نہ کریں تو تبع تابعین کے لیے اسے کرنے پر کوئی پابندی نہیں اور اسی طرح اگر وہ نہ کریں تو ہمارے لیے اسے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں بس یہ خیال رہے کہ وہ کام شرع کے نزدیک برا نہ ہو۔ (اقامۃ القیامۃ ص ۴۰، ملخصاً)

☆اذان کے ساتھ درودوسلام پڑھنا☆

سوال: بعض گمراہ لوگ اذان سے قبل یا اذان کے بعد میں درود شریف پڑھنے کو بدعت وحرام بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسکی ابتدا اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی نے کی۔ انکے خیال میں صرف حضرت بلال رضی اللہ عنہ والی اذان دینی چاہیے۔ اس بارے میں بھی وضاحت فرمادیجیے۔

جواب: اس سے قبل بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی جاچکی، پھر ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' کے جواز پر بھی دلائل وبراہین پیش کیے گئے۔ اب ہم پہلے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ درود شریف پڑھنا کن مواقع پر ممنوع ہے۔

فقہاء نے مندرجہ ذیل اوقات میں درود پڑھنے سے منع کیا ہے۔ خرید وفروخت کے وقت، جماع، رفع حاجت، ذبح، چھینک، تعجب یا ٹھوکر کے وقت، تلاوتِ قرآن یا نماز کے دوران حضور ﷺ کا اسمِ گرامی آنے پر اور کسی بڑے آدمی کی آمد کی خبر دیتے وقت۔ ان مواقع کے علاوہ جس وقت بھی درود وسلام پڑھا جائے، حکمِ الٰہی ''صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا'' (ان پر درود وسلام بھیجو) کی تعمیل ہوتی ہے۔ چونکہ جواز کے لیے حکمِ الٰہی موجود ہے لہٰذا ممانعت کے لیے شرعی دلیل ضروری ہے، بغیر دلیل کے کسی چیز کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔ اس پر پچھلے صفحات میں تفصیل سے گفتگو کی جاچکی ہے۔

حضور ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ''جب تم مؤذن کی اذان سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے''۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۶۶) اس حدیث پاک میں درود شریف پڑھنے کا مطلق حکم ہے خواہ آہستہ پڑھا جائے یا بلند آواز سے۔ نیز درود شریف پڑھنے کا حکم مؤذن اور سامعین دونوں کے لیے ہے۔ (ردالمحتار، بہارِ شریعت)

شفا شریف جلد دوم صفحہ ۵۲ اور شامی جلد اول صفحہ ۲۸۳ پر سرکارِ دوعالم ﷺ کے ذکر کے وقت، آپ کا نام مبارک سننے اور لکھنے کے وقت اور اذان کے وقت درود وسلام پڑھنا مستحب بتایا گیا ہے۔

خود دیوبندی مکتبہ فکر کے مولوی زکریا کاندھلوی صاحب نے فضائلِ درود کے صفحہ ۷۲ پر شامی کے حوالے سے لکھا کہ ''جن اوقات میں (درود) پڑھ سکتا ہو پڑھنا مستحب ہے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو''۔ پھر انہوں نے تکبیر کے وقت اور اذان کے جواب کے بعد درود پڑھنا مستحب قرار دیا۔ (فضائلِ درود)

امام اہلسنت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے جب اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا، ''اذان کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود وسلام عرض کرنا جیسا کہ ملک عرب ومصر وشام وغیرہا بلاد دار الاسلام بلکہ خاص مسجد الحرام ومسجد اقدس مدینہ طیبہ میں مغرب کے سوا معمول ہے اور پانچ سو برس سے زیادہ گزرے کہ ائمہ وعلماء اس پر تقریر وتسلیم کرتے آئے، بیشک جائز ومقبول ہے۔ حضور پُرنور سرورِ عالم ﷺ کا ذکرِ اقدس ہر وقت ہر آن ہر مسلمان کا ایمان، ایمان کی جان، جان کا چین، چین کا سامان ہے۔ ....حضور ﷺ فرماتے ہیں، ''جو کسی چیز کو دوست رکھتا ہے اسکو بہت یاد کرتا ہے''۔ (ابونعیم، دیلمی)

پھر دلائل کے بعد فرماتے ہیں، دُرِ مختار میں ہے کہ اذان کے بعد صلوٰۃ وسلام عرض کرنا شبِ دوشنبہ نمازِ عشاء ماہ ربیع الآخر ۷۸۱ھ میں شروع ہوا، پھر جمعہ کے دن پھر دس برس بعد مغرب کے سوا سب نمازوں میں پھر دو دفعہ مغرب میں بھی؛ یہ ان نئی باتوں میں سے ہے جو نیک ومحمود ہیں۔ امام محدث شمس الملۃ والدین سخاوی ''القول البدیع'' میں، علامہ عمر بن نجیم ''نہر الفائق شرح کنز الدقائق'' میں، پھر فاضل محقق امین الملۃ والدین شامی ''رد المحتار علی الدر المختار'' میں فرماتے ہیں، ''حق بات یہ ہے کہ یہ بدعتِ حسنہ ہے''۔

امام سخاوی رقمطراز ہیں، ''مؤذن حضرات فجر اور جمعہ کی اذانوں اور دیگر اذانوں کے بعد جو ''الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ'' پڑھتے ہیں اسکی ابتدا سلطان ناصر صلاح الدین ایوبی کے دور میں انکے حکم سے ہوئی۔ اس سے پہلے لوگ اپنے خلفاء پر السلام علی الامام الظاہر وغیرہ کہہ کر سلام کہتے تھے جبکہ سلطان نے اس بدعت کو باطل کر کے اسکی جگہ رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کا حکم جاری کیا، اسے اسکی جزائے خیر عطا ہو''۔ (القول البدیع ص ۱۹۲)

امام سخاوی (متوفی ۹۰۲ھ) کے علاوہ امام شعرانی (م ۹۷۳ھ) نے کشف الغمہ ص ۷۸، امام ابن حجر شافعی (م ۸۵۲ھ) نے فتاویٰ کبریٰ ج ۱ ص ۱۳۱، امام جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے حسن المحاضرہ میں، محدث علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول میں، علامہ حلبی (م ۱۰۴۴ھ) نے سیرت حلبیہ میں اور علامہ ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ) نے رد المحتار میں اسے بدعتِ حسنہ قرار دیکر اسکی تعریف کی ہے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

گویا سات سو سال سے ائمہ دین اور جلیل القدر علماء کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ اذان کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پڑھنا جائز ومستحب ہے، جبکہ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ اذان کے ساتھ درود وسلام پڑھنا اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایجاد نہیں بلکہ یہ تو گذشتہ سات صدیوں سے امتِ مسلمہ کا معمول ہے لہٰذا اسے بدعتِ سیئہ کہنا ہی دراصل بدعت وگمراہی ہے۔

چونکہ سوال میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کا ذکر کیا گیا اسلیے اس حوالے سے بھی ایک حدیث پاک پیشِ خدمت ہے جس سے ہمارے موقف کی تائید ہوتی ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ایک خاتون سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں میرا مکان بلند ترین مکانوں میں سے تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس مکان پر صبح صادق سے قبل چڑھ جاتے، جونہی صبح صادق ہوتی تو اذان سے قبل چند دعائیہ کلمات کہہ کر پھر اذان دیتے۔ وہ کلمات یہ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَحْمَدُکَ وَاَسْتَعِیْنُکَ عَلٰی قُرَیْشٍ اَنْ یُّقِیْمُوْا دِیْنَکَ۔ ''اے اللہ! میں تیری حمد کرتا ہوں اور تجھ سے مدد چاہتا ہوں اس بات پر کہ قریش تیرے دین کو قائم کریں''۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے قبل بلند آواز سے قریش کے لیے دعا پڑھتے تھے۔ درود وسلام بھی حضور ﷺ کے لیے رحمت کی دعا ہے تو جب اذان سے قبل قریش کے لیے دعا کرنا جائز ہے تو قریش کے سردار، رسولِ ہاشمی ﷺ کے لیے دعا کرنا کیونکر ناجائز ہوگا؟؟؟

☆ اِسمِ محمد ﷺ سنکر انگوٹھے چومنا ☆

سوال: اہلِ سنت اذان واقامت میں نبی کریم ﷺ کا اسمِ گرامی سن کر انگوٹھے چومتے ہیں، اسکی کیا دلیل ہے؟ بعض لوگ اس مسئلے میں بھی شدید مخالفت کرتے ہیں۔

جواب: اذان میں سرکارِ دوعالم ﷺ کا اسمِ گرامی سن کر اپنے دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگانا جائز ومستحب اور باعثِ خیر وبرکت ہے۔ اسکے جواز پر متعدد احادیث اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمہ اللہ نے اپنی تصنیف ''منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین'' میں تحریر فرمائی ہیں جبکہ اس سے ممانعت پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

علامہ اسماعیل حقی (م ۱۱۳۷ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں،

''اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے جمال کو حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں مثلِ آئینہ ظاہر فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر پھیرا، پس یہ سنت انکی اولاد میں جاری ہوئی''۔ (تفسیر روح البیان جلد ۴ ص ۶۴۹)

امام ابوطالب محمد بن علی مکی رحمہ اللہ اپنی کتاب قوت القلوب میں ابن عیینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے دس محرم کو مسجد میں تشریف لائے اور ستون کے قریب بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اذان میں آپ کا نام سن کر اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو اپنی آنکھوں پر پھیرا، اور کہا، قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ ''یارسول اللہ ﷺ! آپ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں''۔ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو آقا ومولیٰ ﷺ نے فرمایا، اے ابوبکر! جو تمہاری طرح میرا نام سن کر انگوٹھے آنکھوں پر پھیرے اور جو تم نے کہا وہ کہے، اللہ تعالیٰ اسکے تمام نئے پرانے، ظاہر وباطن گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔ (ایضاً، صفحہ ۶۴۸)

امام سخاوی، امام دیلمی کے حوالے سے فرماتے ہیں، ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب مؤذن سے ''اشھد ان محمداً رسول اللہ'' سنا تو یہی جواب میں کہا اور اپنی شہادت کی انگلیاں زیریں جانب سے چوم کر آنکھوں سے لگائیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا، جو میرے اس پیارے دوست کی طرح کرے اسکے لیے میری شفاعت حلال ہو گئی۔ (المقاصد الحسنہ)

امام سخاوی، امام محمد بن صالح مدنی کی تاریخ سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے امام مجد مصری کو یہ فرماتے سنا کہ جو شخص اذان میں آقا ومولیٰ

ﷺ کا نام مبارک سن کر درود پڑھے اور اپنی شہادت کی انگلیاں اور انگوٹھے ملا کر انکو بوسہ دے اور آنکھوں پر پھیرے، اسکی آنکھیں کبھی نہ دُکھیں گی۔ (ایضاً)

فقہ کی مشہور کتاب ردالمختار جلد اول صفحہ ۲۷۰ پر ہے، ''مستحب ہے کہ اذان میں پہلی بار شہادت سن کر'' صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ ''اور دوسری بار شہادت سن کر قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ کہے، پھر اپنے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر پھیرے اور یہ کہے، اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ تو حضور ﷺ اسے اپنے ساتھ جنت میں لے جائیں گے۔ ایسا ہی کنز العباد امام قہستانی میں اور اسی کی مثل فتاویٰ صوفیہ میں ہے''۔

اسی طرح کتاب الفردوس، شرح نقایہ، طحطاوی اور بحرالرائق کے حواشی رملی میں ہے اور حاشیہ تفسیر جلالین میں یوں ہے کہ ''ہم نے اس مسئلے پر اس لیے طویل گفتگو کی کیونکہ بعض لوگ جہالت کی وجہ سے اس مسئلے میں اختلاف کرتے ہیں''۔ حنفی علماء کے علاوہ شافعی علماء اور مالکی علماء نے بھی انگوٹھے چومنے کو مستحب قرار دیا ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس بارے میں کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے، سب احادیث ضعیف ہیں لہٰذا ضعیف حدیث شرعی دلیل نہیں بن سکتی۔ یہ اعتراض فنِ حدیث سے جہالت پر مبنی ہے۔ محدثین کا یہ فرمانا کہ ''یہ احادیث رسول کریم ﷺ تک مرفوع ہو کر صحیح نہیں'' یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ احادیث موقوف صحیح ہیں کیونکہ صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں آتا۔ انکے علاوہ بھی احادیث کے کئی درجے ہیں جن میں بدتر درجہ موضوع ہے جبکہ ''فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث بالاجماع مقبول ہے''۔ (مرقاۃ، اشعۃ اللمعات)

انگوٹھے چومنے سے متعلق حدیث موقوف صحیح ہے چنانچہ محدث علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''میں کہتا ہوں جب اس حدیث کا رفع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لیے کافی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے، میں تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفاءِ راشدین کی سنت''۔ (موضوعاتِ کبیر ص ۶۴)

عاشقِ رسول ﷺ، ولی ءکامل، اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

لب پہ آ جاتا ہے جب نامِ جناب، منہ میں گھل جاتا ہے شہدِ نایاب
وجد میں ہو کے ہم اے جان بیتاب، اپنے لب چوم لیا کرتے ہیں

☆ ندائے یارسول اللہ ﷺ ☆

سوال: عام مسلمان نبی کریم ﷺ کو استمداد کے لیے یا محبت وعقیدت سے پکارتے ہیں اور ندائیہ درود وسلام ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' پڑھتے ہیں۔ بعض لوگ اسے شرک کہتے ہیں۔ اس کے متعلق قرآن وسنت کی روشنی میں راہنمائی کیجیے۔

جواب: نبی کریم ﷺ کو حرف ''یا'' کے ساتھ ندا کرنا اور مذکورہ درود وسلام پڑھنا نہ صرف صحابہ کرام کی سنت ہے بلکہ اس دور میں صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کی علامت ہے، اسے کفر وشرک کہنے والا خود گمراہ اور بدمذہب ہے۔

رسولِ معظم رحمتِ عالم ﷺ نے ایک نابینا صحابی کو قضائے حاجت کے لیے یہ دعا تعلیم فرمائی،

''اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی حضرت محمد ﷺ کے وسیلے سے جو کہ نبیء رحمت ہیں۔ یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کے دربار میں اسلیے متوجہ ہوا ہوں تاکہ میری یہ حاجت پوری ہو جائے۔ یا اللہ! حضور ﷺ کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما''۔

جب اس صحابی نے یہ دعا کی جس میں ''یارسول اللہ ﷺ'' کی ندا موجود ہے، تو اسکی آنکھیں روشن ہو گئیں جیسے کہ وہ کبھی نابینا ہی نہ تھا۔

(حاکم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بیہقی، طبرانی)

(اس دعا کا عربی متن فقیر کی کتاب ''مسنون دعائیں'' کے صفحہ ۸۵ پر ملاحظہ فرمائیں)

امام بخاری نے ادب المفرد میں روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سو گیا، کسی نے کہا، انہیں یاد کرو جو تمہیں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ آپ نے بلند آواز سے فرمایا، یا محمداہ ﷺ! تو آپ کا پاؤں فوراً صحیح ہو گیا۔

امام نووی نے کتاب الاذکار میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اور ابن اثیر نے تاریخ کامل میں حضرت بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ کا یا محمداہ (ﷺ) ندا کرنا روایت کیا ہے۔

نسیم الریاض شرح شفائے عیاض میں ہے کہ اہلِ مدینہ میں یا محمداہ (ﷺ) کہنے کا رواج عام ہے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے ہمراہ جب مسیلمہ کذاب کے لشکر سے برسرِ پیکار تھے اسوقت سب کی زبان پر یہ ندا تھی، یا محمداہ (یارسول اللہ ﷺ! مدد فرمایئے) پھر مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ (ابن اثیر، طبری، البدایہ والنہایہ)

حضرت کعب بن ضمرہ رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ جب حلب کی فتح کے لیے لڑ رہے تھے تو پکارتے تھے، یا محمد یا نصر اللہ انزل یعنی یارسول اللہ ﷺ! یارسول اللہ ﷺ! اے اللہ کی مدد نازل ہو۔ انہیں فتح حاصل ہوئی۔ (فتوح الشام، ناسخ التواریخ)

ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ ''یارسول اللہ ﷺ'' پکارنا صحابہ کرام اور تابعین سے لے کر آج تک ساری امت کا معمول رہا ہے۔ اس کو سب سے پہلے کس نے منع کیا؟ یہ

بات دیوبندی مکتبہ فکر کے مولوی حسین احمد کانگریسی کے قلم سے ملاحظہ کیجیے۔ وہ لکھتے ہیں، ''وہابیہ خبیثیہ یہ صورت نہیں نکالتے اور جملہ انواع کو منع کرتے ہیں چنانچہ وہابیہ عرب کی زبان سے بارہا سنا گیا کہ ''الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ'' کو سخت منع کرتے ہیں اور اہلِ حرمین پر سخت نفرین اس نداء و خطاب پر کرتے ہیں اور انکا استہزاء اڑاتے ہیں''۔ (الشہاب الثاقب ص ۶۵)

یہ امر قابلِ غور ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ کو حرفِ ندا ''یا'' کے ساتھ مخاطب کر کے سلام عرض کرنا یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کہنا جب نماز میں واجب ہے تو نماز کے باہر شرک کیسے ہو سکتا ہے؟

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''یہ خطاب اسلیے ہے کہ حقیقتِ محمدیہ ﷺ موجودات کے ذرے ذرے میں اور ممکنات کے ہر فرد میں سرایت کیے ہوئے ہے پس نور کبریا ﷺ ہر نمازی کی ذات میں موجود و حاضر ہیں، نمازیوں کو چاہیے کہ اس حقیقت سے آگاہ رہیں''۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ)

امام عبدالوہاب شعرانی نے کتاب المیزان میں، امام غزالی نے احیاء العلوم میں، حافظ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں، امام عینی نے عمدۃ القاری شرح بخاری میں اور امام قسطلانی نے مواہب الدنیہ میں یہی عقیدہ بیان فرمایا ہے۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین)

جانِ کائنات ﷺ کا ارشاد ہے، ''جو کوئی مجھ پر درود پڑھے اسکی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے خواہ وہ کہیں بھی ہو''۔ (طبرانی، جلاء الافہام) دوسری جگہ فرمایا، ''جب کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے، میں اسکے سلام کا جواب دیتا ہوں''۔ (ابوداؤد، مسند احمد)

ایک اور ارشادِ گرامی ہے، ''خدا کی قسم! مجھ پر نہ تمہارا رکوع پوشیدہ ہے اور نہ خشوع (جو کہ دل کی ایک کیفیت ہے)''۔ (بخاری)

آقا و مولیٰ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ''میں دنیا کو اور جو کچھ دنیا میں قیامت تک ہونے والا ہے، سب کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں''۔ (ابونعیم، طبرانی)

پس جب نبی کریم ﷺ کی حقیقت و روحانیت کائنات کے ہر ذرے میں جاری و ساری ہے اور آقا و مولیٰ ﷺ تمام کائنات کو اپنی مبارک ہتھیلی کی مثل ملاحظہ فرما رہے ہیں تو گویا آپ ﷺ حاضر و ناظر ہیں اسلیے آپ ﷺ کو دور و نزدیک کہیں سے بھی یارسول اللہ ﷺ پکارنا بالکل جائز بلکہ آقا و مولیٰ ﷺ سے عشق و محبت کی علامت ہے۔

☆کھانے پر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟☆

سوال: کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فاتحہ پڑھنے سے کھانا حرام ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں راہنمائی فرمائیں۔

جواب: اعلیٰ حضرت محدث بریلوی قدس سرہٗ فتاویٰ رضویہ میں فرماتے ہیں، مسلمان کو، دنیا سے جانے کے بعد قرآن مجید کی تلاوت یا کلمہ شریف اور درود شریف کی قرات اور دوسرے اعمالِ صالحہ یا کھانے کپڑے وغیرہ (صدقہ کرنے کا) جو ثواب پہنچایا جاتا ہے، اسے عُرف میں فاتحہ کہتے ہیں کیونکہ اس میں سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔ اور اولیاء کرام کو جو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اسے تعظیماً نذر و نیاز کہتے ہیں۔ عام محاورہ ہے کہ بڑوں کے حضور جو ہدیہ پیش کرتے ہیں اسے نذر کہتے ہیں۔

فاتحہ یا ایصالِ ثواب کے لیے کھانے پینے کی اشیاء کا سامنے ہونا ضروری نہیں البتہ یہ جائز اور بہتر ہے۔ حضور ﷺ نے جانور کی قربانی کر کے اسکے سامنے یہ دعا فرمائی، ''اے اللہ! اسے میری امت کی طرف سے قبول فرما''۔ (مسلم، ترمذی، ابوداؤد)

کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا اور دعائے برکت کرنا متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ غزوہ تبوک کے دن نبی کریم ﷺ نے کھانے پر برکت کی دعا فرمائی۔ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آقا و مولیٰ ﷺ نے کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھا اور دعا فرمائی۔ (بخاری، مسلم) ایک اور حدیث میں حضور ﷺ کا حلوہ پر دعائے برکت فرمانا مذکور ہے۔ (بخاری، مسلم)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ کھانا سامنے رکھ کر تلاوت کرنا اور دعا مانگنا بلاشبہ جائز و مستحب ہے۔

مسلم شریف میں ہے کہ جس کھانے پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اسے شیطان اپنے لیے حلال سمجھتا ہے یعنی بسم اللہ پڑھ کر کھانا پینا چاہیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا، ''تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو''۔ (الانعام: ۱۱۸) آپ بتائیے کہ فاتحہ میں کیا پڑھا جاتا ہے؟ کیا چاروں قُل اور سورہ فاتحہ پڑھنے سے کھانا حرام ہو جاتا ہے؟

حدیث پاک سے یہ معلوم ہوا کہ بسم اللہ پڑھنے سے شیطان اس کھانے کو حلال نہیں سمجھتا اور قرآن کریم سے معلوم ہوا جس کھانے پر اللہ کا نام لیا جائے وہ کافر نہیں کھاتے۔ اب نتیجہ یہ نکلا کہ فاتحہ پڑھنے سے کھانے کو حرام سمجھنا اور اسے نہ کھانا کافروں اور شیطان کا طریقہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فاتحہ پڑھنے سے کھانا برکت والا ہو جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنے فتاویٰ کی جلد اول صفحہ ۷۱ پر فرماتے ہیں، ''نیاز کا وہ کھانا جس کا ثواب امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما کو پہنچایا جائے اور اس پر فاتحہ، قل اور درود شریف پڑھا جائے تو وہ کھانا برکت والا ہو جاتا ہے اور اسکا کھانا بہت اچھا ہے''۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں، ''تلاوت کرنے سے کھانے کے اجزاء ذکر کے انوار سے معمور ہو جاتے ہیں اور کھانے میں کوئی خرابی بھی پیدا نہیں ہوتی اور ایسا طعام کھانے سے دل کی کیفیت بھی بدل جاتی ہے''۔

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی فرماتے ہیں، ''وہ کھانا جو حضرات انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور اولیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ارواحِ طیبہ کو نذر کیا جاتا ہے اور امیر وغریب سب کو بطور تبرک دیا جاتا ہے یہ سب کو بلا تکلف رَوا ہے اور باعثِ برکت ہے۔ برکت والوں کی طرف جو چیز نسبت کی جاتی ہے اسمیں برکت آجاتی ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ)

فاتحہ دینے کا طریقہ یہ ہے کہ چاروں قُل شریف تلاوت کیے جائیں جس میں سورہ اخلاص تین مرتبہ پڑھی جائے پھر سورہ فاتحہ تلاوت کی جائے، پھر اگر یاد ہوں تو سورہ بقرہ کی ابتدائی پانچ آیات اور مزید چند آیات تلاوت کر کے درود شریف پڑھ کر یوں دعا مانگی جائے۔

''اے اللہ! ان آیات اور اس طعام کو قبول فرما، ان عبادات پر میرے اعمال کے لائق نہیں بلکہ اپنے کرم کے لائق ثواب عطا فرما۔ اور یہ ثواب ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کی بارگاہ میں مرحمت فرما۔ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں یہ ثواب تمام انبیاء کرام، صحابہ کرام، اہلبیت عظام، تابعین، تبع تابعین، جمیع اولیائے کاملین خصوصاً فلاں ولی اللہ مثلاً حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں نذر پہنچا۔ پھر یہ ثواب حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک جتنے مسلمان انتقال کر گئے یا موجود ہیں یا قیامت تک ہونگے، سب کو اسکا ثواب پہنچا۔ یا اللہ! تمام مسلمانوں کی مغفرت فرما، ہمیں مذہبِ مہذب مسلکِ حق اہلسنت و جماعت پر استقامت عطا فرما، ہمیں دنیا و آخرت کی ہر بھلائی عطا فرما، ہمیں اپنا خوف، اپنے حبیب ﷺ کی سچی محبت اور آخرت کی فکر عطا فرما، ہمارے اہل و عیال سے ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما۔ آمین

پھر اگر چاہیں تو مزید دعائیں مانگیں، آخر میں درود شریف پڑھ کر دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرلیں۔ مسلمان بعض مواقع پر فاتحہ کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں مثلاً میلاد شریف، دس محرم الحرام، غوثِ اعظم کی گیارھویں شریف، خواجہ غریب نواز اجمیری کی چھٹی شریف، شبِ برات کا حلوہ، رجب شریف کے کونڈے وغیرہ ان سب کی اصل ایصالِ ثواب ہے اور یہ سب جائز ہیں۔

☆گیارھویں شریف☆

سوال: گیارھویں شریف کیا ہے؟ بعض گمراہ کہتے ہیں کہ تم حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے لیے ہر ماہ ایصالِ ثواب نہیں کرتے مگر ہر ماہ گیارھویں شریف کرتے ہو۔ اس کا کیا سبب ہے؟

جواب: حضرت غوثِ اعظم پیرانِ پیر دستگیر سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن کریم کی تلاوت، نعت خوانی، ذکرِ الٰہی اور تقسیمِ طعام و شیرینی پر مشتمل محفل جو عموماً کسی بھی دن اور خصوصاً چاند کی گیارہ تاریخ کو منعقد ہوتی ہے اسے گیارھویں شریف کہتے ہیں۔ اس کی اصل ایصالِ ثواب ہے جو کہ قرآن وسنت سے ثابت ہے اس حوالے سے پہلے تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کھانے پینے کی چیزوں کی نسبت غیر خدا کی طرف کرنے سے وہ حرام ہو جاتی ہیں اسلیے گیارھویں شریف کا کھانا حرام ہے (معاذ اللہ)۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ نبوی میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! اُمِ سعد کا انتقال ہو گیا اب انکے ایصالِ ثواب کے لیے کون سا صدقہ بہتر ہے؟ ارشاد فرمایا، پانی۔ (کیونکہ اس وقت مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کو پانی کی سخت حاجت تھی) لہٰذا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھدوا کر فرمایا، ھٰذِہٖ لِاُمِّ سَعْدٍ۔ یہ کنواں اُمِ سعد کے لیے ہے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شے کو کسی فوت شدہ ہستی کی طرف منسوب کرنا نہ تو گناہ ہے اور نہ ہی اس سے وہ شے حرام ہوتی ہے۔ جیسے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنوئیں کو اپنی والدہ کی طرف منسوب کیا، اسی طرح ہم گیارھویں شریف کو سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''بیشک ہمارے شہروں میں سیدنا غوث اعظم کی گیارھویں شریف مشہور ہے اور یہی تاریخ اہلِ ہند میں سے آپ کی اولاد و مشائخ میں معروف ہے''۔ (ماثبت بالسنۃ) عارفِ کامل شیخ عبدالوہاب متقی مکی قدس سرہ غوث الثقلین کا عرس کیا کرتے تھے۔ (ایضاً) شیخ امان اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ بھی ماہ ربیع الآخر کی گیارہ تاریخ کو غوث الثقلین کا عرس کیا کرتے تھے۔ (اخبار الاخیار)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے روضہ مبارک پر گیارھویں تاریخ کو حکمران اور اکابرینِ شہر وغیرہ جمع ہوتے، نمازِ عصر تا مغرب قرآن کریم تلاوت کرتے اور حضرت غوثِ اعظم کی شان میں قصائد و منقبت پڑھتے، بعد مغرب سجادہ نشین مریدین و حاضرین کے درمیان بیٹھ کر انہیں ذکر بالجہر کراتے، اسی حالت میں بعض پر وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی۔ پھر طعام و شیرینی جو نیاز تیار ہوتی وہ تقسیم کی جاتی اور لوگ نماز عشاء ادا کر کے رخصت ہوتے''۔ (ملفوظات عزیزی)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اپنی کتاب کلماتِ طیبات میں جمع فرمائے ہیں، اسکا فارسی نسخہ مطبوعہ دہلی صفحہ ۷ ملاحظہ

ہو، مرزا صاحب فرماتے ہیں،

''میں نے خواب دیکھا کہ ایک وسیع چبوترہ پر بہت سے اولیاء کرام حلقہ کی صورت میں مراقبہ میں ہیں جن میں خواجہ نقشبند اور جنید بغدادی رحمہا اللہ بھی تشریف فرما ہیں۔ پھر یہ حضرات سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے استقبال کو چل دیے۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو انکے ساتھ چادر اوڑھے، برہنہ پاؤں ایک بزرگ بھی تھے جنکا ہاتھ تعظیم سے آپ نے اپنے ہاتھ میں لیا ہوا تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر ایک صاف وشفاف حجرہ مبارک ظاہر ہوا جس پر نور کی بارش ہو رہی تھی، یہ تمام بزرگ اس میں داخل ہو گئے۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ آج حضرت غوث الثقلین کا عرس یعنی گیارھویں شریف ہے اور یہ تمام بزرگ اس عرس کی تقریب میں تشریف لے گئے ہیں''۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ گیارھویں شریف اور اولیاء کرام کے اعراس مبارکہ مسلمانوں کا صدیوں سے معمول رہے ہیں خصوصاً گیارھویں شریف تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کے زمانے یعنی ۹۵۸ھ تا ۱۰۵۲ھ میں تمام شہروں میں مشہور ہو چکی تھی۔

یہ اعتراض کہ ''ہم گیارھویں شریف کی طرح حضور ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے لیے ایصالِ ثواب نہیں کرتے'' نہایت لغو اور جاہلانہ ہے۔ خوب اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اہلِ سنت جب بھی کسی ولی اللہ یا اپنے کسی مرحوم عزیز کے لیے بھی فاتحہ دلاتے ہیں تو سب سے پہلے اپنے آقا ومولیٰ ﷺ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں ثواب کا نذرانہ پیش کرتے ہیں پھر دیگر انبیاء کرام، صحابہ کرام اور اہلِ بیت اطہار کی ارواحِ مقدسہ کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں پھر اولیاء کرام اور اپنے مرحوم عزیزوں کو ثواب پہنچاتے ہیں۔

پچھلے سوال کے جواب میں فاتحہ کا طریقہ بیان ہوا، اسے دوبارہ پڑھ لیجیے، یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ہم جب بھی کوئی فاتحہ کرتے ہیں وہ نبی کریم ﷺ اور انکے صحابہ واہلِ بیت کرام بلکہ تمام مسلمانوں کے ایصالِ ثواب پر مبنی ہوتی ہے۔

☆شعائرِ اہلِ سنت کی پابندی کیوں؟☆

سوال: بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اہلِ سنت محفلِ میلادالنبی ﷺ اور گیارھویں شریف کرنے، کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھنے اور حضور ﷺ کا اسمِ گرامی سن کر انگوٹھے چومنے کو واجب سمجھتے ہیں اسلیے ان افعال کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں۔ اس الزام کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: پہلے تو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے کہ اہلِ سنت مذکورہ افعال کو ہرگز فرض یا واجب نہیں سمجھتے بلکہ انہیں مستحب ومستحسن جان کر انکی پابندی کرتے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ ان مستحب امور کی پابندی کیوں کی جاتی ہے تو جواباً عرض ہے کہ مستحب افعال کی پابندی اللہ تعالیٰ اور اسکے محبوب رسول ﷺ کے نزدیک پسندیدہ ہے اسلیے ہم ان مستحب کاموں کی پابندی کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں قرآن کریم سے راہنمائی لیجیے:

ارشاد ہوا، ''اور راہب بننا، تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف سے نکالی، ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی، ہاں یہ بدعت انہوں نے اللہ کی رضا چاہنے کو پیدا کی، پھر اسے نہ نباہا جیسا اسکے نباہنے کا حق تھا، تو ان کے ایمان والوں کو ہم نے ان کا ثواب عطا کیا، اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں''۔ (الحدید: ۲۷، کنزالایمان)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں نے اس نیکی کو نہ نباہا یعنی اسکی پابندی نہ کی انہوں نے برا کیا۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ مستحب کاموں کو پابندی سے کرنا رب تعالیٰ کو پسند ہے۔

آقا ومولیٰ ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، ''اللہ تعالیٰ کو وہ عمل محبوب ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہو''۔ (بخاری، مسلم)

حضور ﷺ کا ایک اور ارشادِ گرامی ہے، ''جو اشراق کی دو رکعت کی پابندی کرے اسکے گناہ بخش دیے جائیں گے اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں''۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

امّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چاشت کی آٹھ رکعات پڑھتیں پھر فرماتیں، ''اگر میرے ماں باپ اٹھا بھی دیے جائیں تو میں یہ نفل نہ چھوڑوں''۔ (مشکوٰۃ)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نفل یا مستحب کی پابندی کرنا اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کو پسند ہے۔ ہم روزانہ تین وقت کھانا کھاتے ہیں، ہر جمعہ کو غسل کرتے ہیں، عید پر نئے کپڑے سلواتے ہیں، مدارس میں سالانہ امتحان ہوتے ہیں، سالانہ جلسے ہوتے ہیں، رمضان میں تعطیلات ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام امور کی پابندی سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہم انہیں فرض یا واجب سمجھتے ہیں اسی طرح اہلِ سنت کے مذکورہ مستحب امور کی پابندی کرنے سے بھی ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ انہیں واجب سمجھتے ہیں۔

اس ضمن میں ایک اور نہایت اہم بات ذہن نشین رکھنی ضروری ہے اور وہ یہ کہ ہر دور میں ارکانِ اسلام کے علاوہ اہلِ ایمان کی مختلف علامات رہی ہیں اور حسبِ زمانہ کافروں اور بدمذہبوں کی علامات اور شعائر سے بچنا بھی اہلِ ایمان کے لیے لازم رہا ہے۔ ابتدائے اسلام میں محض کلمہ پڑھنا ہی مسلمانوں کی پہچان تھی پھر جب منافق پیدا ہوئے تو قرآن نے انکی علامات بیان فرما دیں۔ اس حوالے سے سورہ بقرہ کا دوسرا رکوع اور سورہ منافقون ملاحظہ کیجیے۔ پھر جب دیگر بدمذہب پیدا ہوئے تو غیب بتانے والے آقا ومولیٰ ﷺ نے ان اہلِ بدعت مثلاً خوارج، قدریہ وغیرہ کی علامات بیان فرما دیں جنکی وجہ سے صحابہ کرام نے گمراہ لوگوں کو شناخت کیا بلکہ بخاری شریف میں ہے کہ خوارج کی نشانیوں والے ایک شخص کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔

شرح فقہ اکبر میں محدث علی قاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا، سنی کی پہچان کیا ہے؟ تو فرمایا، ''حضرت عثمان وحضرت علی رضی اللہ عنہما سے محبت کرنا، حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کو افضل جاننا اور چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا''۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے جب اہلسنت کی پہچان پوچھی گئی تو انہوں نے بھی یہی علامات ارشاد فرمائیں۔ در مختار باب المیاہ میں ہے کہ ''حوض سے وضو کرنا افضل ہے کیونکہ معتزلہ اسے ناجائز کہتے ہیں لہٰذا ہم حوض سے وضو کر کے انہیں جلاتے ہیں''۔

غور فرمایئے کہ حوض سے وضو کرنا اور چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا فرض یا واجب نہیں ہے لیکن چونکہ اس زمانے میں انکے منکر پیدا ہو گئے تھے اس لیے ان کاموں کو اہلسنت کی پہچان قرار دیا گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض جائز کام بدمذہبوں کی مخالفت کی وجہ سے افضل اور اہم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح محفلِ میلاد، گیارھویں شریف، کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھنا اور حضور ﷺ کا اسمِ گرامی سن کر انگوٹھے چومنا وغیرہ یہ سب افعال فرض یا واجب نہیں ہیں لیکن چونکہ فی زمانہ ان مستحب کاموں کے منکر پیدا ہو گئے ہیں جو نبی کریم ﷺ اور محبوبانِ خدا کی عظمت وشان سے عناد رکھتے ہیں اس لیے یہ مستحب امور صحیح العقیدہ اہلسنت ہونے کی علامت ہیں۔

☆☆☆☆☆

باب یازدہم: اہلسنت کون؟

☆جنتی گروہ کی علامات☆

سوال: موجودہ دور میں بیشمار فرقے پیدا ہو چکے ہیں جن میں ہر فرقہ خود کو جنتی قرار دیتا ہے اور ایک فرقہ ان لوگوں کا بھی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارا تعلق کسی فرقے سے نہیں۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ فرمائیں کہ ان میں سے جنتی گروہ کی شناخت کیسے کی جائے؟

جواب: غیب کی خبریں دینے والے آقا ومولیٰ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، بنی اسرائیل میں بہتر (۷۲) فرقے ہوئے اور میری امت میں تہتر (۷۳) فرقے ہونگے۔ ان میں صرف ایک گروہ جنتی ہے اور باقی سب فرقے جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! وہ جنتی گروہ کون سا ہے؟ فرمایا، جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

نبی کریم ﷺ نے چودہ سو سال پہلے یہ غیبی خبر دے دی تھی تاکہ اتنے سارے فرقوں میں سے جنتی گروہ کی شناخت ہو سکے۔ اس سلسلے میں سورہ فاتحہ کی یہ آیات بھی قابلِ غور ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہوا، ''ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ ان کا جن پر تونے احسان کیا، نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا''۔ (کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن)

ہم ہر نماز میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہیں کہ الٰہی! ہمیں اپنے انعام یافتہ بندوں کے راستے پر چلا کیونکہ یہی سیدھا راستہ ہے۔ بتایئے کیا قرآن وحدیث کا راستہ سیدھا راستہ نہیں ہے؟ یقیناً قرآن وحدیث کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے لیکن رب کریم خوب جانتا ہے کہ گمراہ لوگ قرآن تلاوت کریں گے مگر بات اپنے مطلب کی کریں گے اور ترجمہ وتفسیر میں اپنے فاسد نظریات داخل کر دیں گے۔ یونہی حدیث پڑھیں گے مگر اسکا خود ساختہ مفہوم بیان کر کے مسلمانوں کو دھوکا دیں گے۔ اسلیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام یافتہ بندوں کے راستے کو معیارِ حق قرار دے دیا تاکہ جو قرآن وحدیث کا عالم نہ ہو وہ بھی جان لے کہ صحابہ کرام واولیائے کاملین کا راستہ ہی صراطِ مستقیم ہے۔

اب آپ دیکھ لیجیے کہ صحابہ کرام حضور اکرم ﷺ کی کیسی تعظیم وتوقیر کرتے، آقا ومولیٰ ﷺ کی بارگاہ میں حاجت روائی اور مشکل کشائی کے لیے فریاد کرتے، انکی محبت کو ایمان کی جان سمجھتے، بارگاہِ الٰہی میں حاجت روائی کے لیے انہیں وسیلہ بناتے۔ (ان عنوانات پر متعدد احادیث مبارکہ فقیر کی کتاب ''ضیاء الحدیث'' باب اول ایمانیات میں ملاحظہ فرمائیں)۔ اسی طرح آپ غور فرمایئے کہ حضرت غوثِ اعظم قدس سرہٗ کا تعلق کس گروہ سے ہے، داتا گنج بخش، خواجہ غریب نواز، مجدد الف ثانی، بابا فرید گنج شکر اور دیگر اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا تعلق کس گروہ سے ہے؟ الحمدللہ! اہلسنت وجماعت ہی وہ گروہ ہے جو صحابہ کرام کے عقائد وافکار کا پیروکار ہے اور اسی گروہ میں تمام اولیاء کرام ظاہر ہوئے ہیں اور یہی جنتی گروہ ہے۔

اب ہم جائزہ لیتے ہیں کہ احادیث مبارکہ میں جنتی گروہ کی مزید کیا علامات بیان ہوئی ہیں؟ پہلی علامت یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کا ایک گروہ ہر دور میں ضرور حق پر رہے گا۔ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا، میری امت کا ایک طبقہ دین پر قائم رہے گا، جو انکی مخالفت کرے گا وہ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔ (مسلم)

حبیب کبریا، احمد مجتبیٰ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے، ''یقیناً اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر متفق نہ ہونے دے گا، جماعت پر اللہ کا دستِ کرم ہے اور جو جماعت سے الگ رہا وہ الگ ہی دوزخ میں جائے گا''۔ (ترمذی، مشکوٰۃ)

اب دیکھنا یہ ہے کہ جنتی ہونے کے دعویدار فرقوں نے کب جنم لیا؟

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دعا مانگی، ''اے اللہ! ہمیں ہمارے شام میں برکت دے، اے اللہ! ہمیں ہمارے یمن میں برکت دے''۔ بعض لوگوں نے عرض کی نجد کے لیے بھی دعا کریں۔ آقا ومولیٰ ﷺ نے پھر شام اور یمن کے لیے دعا فرمائی۔ لوگوں نے پھر نجد کے لیے دعا کی درخواست کی مگر آپ نے پھر شام اور یمن کے

لیے دعا فرمائی۔ تیسری بار لوگوں کے عرض کرنے پر فرمایا،

''وہاں زلزلے اور فتنے ہونگے اور وہاں سے شیطان کا سینگ یعنی شیطانی گروہ نکلے گا''۔ (صحیح بخاری جلد سوم کتاب الفتن)

اگر نجد کے علاقے سے کئی فرقے نمودار ہوتے تو شاید لوگ ''شیطانی گروہ'' کو پہچاننے میں غلطی کر جاتے لیکن خدا کا کرنا دیکھیے کہ وہاں ایک ہی فرقہ پیدا ہوا۔ بارھویں صدی ہجری میں نجد میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی نے ایک نئے دین کی بنیاد رکھی، اس نے اپنے سوا تمام مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دیا اور ان کا قتلِ عام کیا۔ اس وقت علماءِ حق میں سے اس کے سگے بھائی شیخ سلیمان بن عبدالوہاب نے اسکا سخت رد کیا۔ وہ اپنی کتاب الصواعق الالٰھیہ کے صفحہ ۴۳ پر لکھتے ہیں،

''رسولِ معظم ﷺ کے بعد سرزمین نجد میں جو پہلا فتنہ واقع ہوا وہ شیخ نجدی کا فتنہ ہے جس نے مسلمانوں کے درمیان صدیوں سے رائج معمولات کو کفر اور مسلمانوں کو کافر بنا دیا بلکہ شیخ نجدی نے ان لوگوں کو بھی کافر بنا دیا جو ان مسلمانوں کو کافر نہ کہے۔ حالانکہ مکہ، مدینہ اور یمن کے علاقوں میں صدیوں سے یہ معمولات رائج ہیں بلکہ ہم کو تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اولیاء کا وسیلہ، انکے مزارات سے توسل و استمداد اور اولیاءاللہ کو پکارنا یہ تمام امور دنیا میں سب سے زیادہ یمن اور حرمین شریفین میں کیے جاتے ہیں''۔

شیخ سلیمان نے اہلسنت کی حقانیت کی ایک دلیل یہ دی تھی کہ صحیح بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی حضور ﷺ کا ارشاد ہے، ''اللہ تعالیٰ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور یہ امت ہمیشہ صحیح دین پر قائم رہے گی یہانتک کہ قیامت آجائے''۔ اس حدیث میں آقا و مولیٰ ﷺ نے قیامت تک امت کے دین پر قائم رہنے کی خبر دی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جن امور کو تم کفر بتاتے ہو وہ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک تمام دنیائے اسلام میں مروج اور معمول ہیں۔

پس اگر اولیاءاللہ کے مزارات بڑے بڑے بت ہوتے اور ان سے استمداد و استغاثہ کرنے والے کافر ہوتے تو تمام امت صحیح دین پر قائم نہ ہوتی بلکہ ساری امت کافر قرار پاتی (جبکہ یہ حدیث پاک تمہارے اس باطل نظریے کی تردید کرتی ہے)۔ (الصواعق الالٰھیہ ص ۴۰)

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکار وہابی کہلاتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں وہابیت کی ایک شاخ نے میاں نذیر حسین دہلوی کی قیادت میں جنم لیا جو تقلید کے منکر تھے۔ انگریز حکومت سے اپنے تعلق کے بارے میں اسی فرقہ کا ترجمان رسالہ لکھتا ہے کہ:

''لارڈ ڈفرن، گورنر جنرل اور وائسرائے ہند کو دیے گئے سپاسنامے میں قائدِ اہلحدیث میاں نذیر حسین دہلوی، محمد حسین بٹالوی وکیلِ اہلحدیث ہند کے علاوہ اہلحدیث کے پانچ بڑے پیشواؤں کے نام شامل ہیں''۔ (اشاعۃ السنۃ جلد ۱۱ شمارہ ۲ صفحہ ۴۱)

غیر مقلدوں کے پیشوا نواب صدیق حسن بھوپالی نے اسوقت بھی اہلسنت کو انگریزوں کا بدخواہ اور دشمن قرار دیا۔ انہوں نے لکھا، ''اگر کوئی بدخواہ بداندیش سلطنت برٹش کا ہو گا تو وہی شخص ہو گا جو آزادیٔ مذہب (یعنی غیر مقلد ہونے) کو ناپسند کرتا ہے اور ایک مذہب خاص پر جو باپ دادوں کے وقت سے چلا آتا ہے، جما ہوا ہے''۔ (ترجمانِ وہابیہ ص ۵)

اس نمک حلالی پر انگریز حکومت نے پانچ اہلحدیث مولویوں کو ''شمس العلماء'' اور دو مولویوں کو ''خان بہادر'' کے القابات سے نوازا۔ (الدر المنثور از مولوی یوسف جعفری)

صحابہ کرام، تابعین و صالحین کے ساتھ اس فرقہ کے ناروا سلوک کا حال انہیں کے پیشوا نواب وحید الزماں کی زبانی ملاحظہ ہو۔ وہ لکھتے ہیں، ''غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے آپ کو اہلحدیث کہتے ہیں انہوں نے ایسی آزادی اختیار کر رکھی ہے کہ مسائلِ اجماعی کی پرواہ نہیں کرتے، نہ سلف صالحین اور صحابہ اور تابعین کی۔ اور قرآن کی تفسیر صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی اسکو بھی نہیں سنتے''۔

(شیشے کے گھر ص ۲۰ بحوالہ حیات وحید الزمان ص ۱۰۲)

برصغیر میں وہابیت کی دوسری شاخ مولوی اسماعیل دہلوی نے قائم کی۔ انہوں نے شیخ نجدی کی کتاب التوحید کا چربہ اردو میں تقویۃ الایمان کے نام سے شائع کیا۔ انکے علمی مقام کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ انکے چچا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے انکے متعلق فرمایا، ''ہم تو سمجھے تھے کہ اسماعیل عالم ہوگیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہ سمجھا''۔ (ارواحِ ثلاثہ ص ۱۲۰ از مولوی اشرفعلی تھانوی) انگریزوں کی نوازشات سے متاثر ہو کر مولوی اسماعیل دہلوی نے سرِ عام فتویٰ دیا کہ انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا کسی طرح درست نہیں بلکہ خلافِ مذہب ہے''۔ (حیات طیبہ ص ۲۹۶ از مولوی حیرت دیوبندی)

پاک و ہند میں وہابیت کی تیسری شاخ دیوبند (جو کہ حنفی ہونے کی دعویدار ہے، اس) کی ابتدا بھی انگریز حکومت کی خاص نوازشوں سے ہوئی۔ اسکا ذکر خود دیوبندی اکابرین نے اپنی کتب میں کیا ہے؛ مولوی شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں، ''سنا گیا ہے کہ مولانا اشرفعلی تھانوی کو انگریز حکومت کی جانب سے چھ سو (۶۰۰) روپے ماہوار دیے جاتے تھے''۔ (مکالمۃ الصدرین ص ۱۰ مطبوعہ دیوبند)

نیز ''الیاس دہلوی کی تبلیغی جماعت کو ابتدا میں انگریز حکومت کی جانب سے کچھ روپیہ ملتا تھا''۔ (ایضاً ص ۸)

دیوبند کے مفتیٔ اعظم مولوی رشید گنگوہی پر بعض لوگوں نے جنگِ آزادی میں شرکت کا الزام لگایا تو مولوی صاحب نہایت مطمئن رہے، بقول انکے سوانح نگار؛ ''آپ کو وہ

استقلال بنے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے اور سمجھتے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار (انگریز) کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار (انگریز) مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے"۔ (تذکرۃ الرشید ص ۸۰)

دیوبندی مکتبہ فکر کی عمارت بھی شیخ نجدی کے توہینِ رسالت پر مبنی باطل عقائد کی بنیادوں پر تعمیر ہوئی۔ شیخ نجدی کے گستاخانہ نظریات کی تعریف میں گنگوہی صاحب لکھتے ہیں، "محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں، انکے عقائد عمدہ تھے اور مذہب انکا حنبلی تھا"۔

(فتاویٰ رشیدیہ جلد اول، کتاب التقلید ص ۱۱۹)

دیوبندی فرقے کی ابتدا کے بارے میں دارالعلوم دیوبند کے استاذ التفسیر مولوی انظر شاہ کشمیری لکھتے ہیں، "میرے نزدیک دیوبندیت خالص ولی اللٰہی فکر بھی نہیں اور نہ کسی خانوادہ کی گلی بندھی فکر دولت ومتاع ہے۔ میرا یقین ہے کہ اکابر دیوبند جن کی ابتدا میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب اور فقیہ اکبر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہے.......... دیوبندیت کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کی بجائے مذکورہ بالا دو عظیم انسانوں سے کرتا ہوں"۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی، مارچ ۱۹۶۹ء ص ۴۸)

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ دیوبندی فرقے کی ابتدا مولوی قاسم نانوتوی اور مولوی رشید گنگوہی سے ہوئی یعنی یہ فرقہ بھی تقریباً سوا سو سال پہلے وجود میں آیا۔ گویا غیر مقلد (اہلحدیث) اور دیوبندی مکاتیبِ فکر کا آغاز انگریز دور میں ہوا اور یہ دونوں شیخ نجدی کے باطل نظریات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکابرینِ دیوبند کے کفریہ عقائد کی تفصیل جاننے کے لیے اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "حسام الحرمین" (جو اُس وقت کے علمائے حرمین کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے) اور علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی قدس سرہٗ کی تصنیف "الحق المبین" کا مطالعہ فرمائیں۔

موجودہ صدی کے چوتھے عشرے میں جناب مودودی صاحب نے غیر مقلدین ہی کی طرز پر "جماعتِ اسلامی" کے نام سے ایک فرقے کی بنیاد رکھی اور شیخ نجدی کو مجدد اور شیخ الاسلام قرار دیا، اس گروہ کو وہابیت کی جدید شاخ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ مودودی صاحب کے قلم کی زد سے بھی انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام کی عصمت وعظمت محفوظ نہ رہی، اسکی تفصیل جاننے کے لیے علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی کی تصنیف جماعتِ اسلامی کا مطالعہ فرمائیں۔

اب ہم اہلسنت وجماعت کا ذکر کرتے ہیں جن کے عقائد قرآن وحدیث اور اکابر ائمہ دین سے ثابت اور منقول ہیں اور کوئی ایسا عقیدہ پیش نہیں کیا جاسکتا جو مجددِ دین وملت اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایجاد ہو، جن کی نسبت سے آج مخالفین، ہم اہلسنت کو "بریلوی" کہتے ہیں۔

خود غیر مقلد مولوی احسان الٰہی ظہیر نے یہ اقرار کیا کہ "یہ جماعت اپنی پیدائش اور نام کے لحاظ سے نئی ہے لیکن نظریات اور عقائد کے اعتبار سے قدیم ہے"۔ (البریلویہ ص ۷)

ایک اور غیر مقلد مولوی ابویحییٰ امام خان نوشہروی نے لکھا، "یہ جماعت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کی مدعی ہے مگر دیوبندی مقلدین انہیں بریلوی کہتے ہیں"۔ (تراجم علمائے اہلحدیث ہند ص ۳۷۶) مشہور مؤرخ سلیمان ندوی لکھتے ہیں، "تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے آپ کو اہلِ سنت کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے"۔ (حیاتِ شبلی ص ۴۶)

ان اقتباسات سے ثابت ہوگیا کہ اعلیٰ حضرت نے انہی افکار ومعمولات کی حمایت واشاعت کی جو امتِ مسلمہ میں صدیوں سے رائج تھے جیسے انبیاء اور اولیاء کا وسیلہ، محبوبانِ خدا سے مدد مانگنا اور اولیاء اللہ کو پکارنا وغیرہ جنہیں مخالفین شرک قرار دیتے ہیں۔ ان معمولات کے ہر دور میں مروج ہونے کے متعلق شیخ سلیمان کی تحریری گواہی اوپر نقل کی جاچکی ہے۔

محدث علی قاری علیہ رحمۃ الباری فرماتے ہیں، "جس راہ پر نبی کریم ﷺ اور انکے صحابہ کرام ہیں صرف وہی راہ چلنے والا گروہ جنتی ہے اور وہ اہلسنت وجماعت ہی ہے اور اس گروہ میں فقہاء کرام مثلاً ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل)، محدثین کرام اور متکلمین اشاعرہ اور ماتریدیہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) ہیں، ان کے مذاہب بدعت سے خالی ہیں"۔ (شرح شفا جلد اول)

دوسری جگہ رقمطراز ہیں، "پس اہلسنت وجماعت کے جنتی گروہ ہونے میں کوئی شک نہیں"۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول)

قبل ازیں جنتی گروہ کی پہلی علامت حدیث شریف کے حوالے سے یہ بیان کی گئی کہ جنتی گروہ کے عقائد آقا ومولیٰ ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ اقدس سے اب تک متصل چلے آرہے ہوں۔ اسکے متعلق تفصیلی گفتگو ہوئی اور موجودہ دور کے چند فرقوں کے متعلق انہی کے اکابرین کی کتب سے یہ ثابت کیا گیا کہ وہ سب انگریز دور کی پیداوار ہیں۔

جنتی گروہ کی دوسری علامت اس کا سوادِ اعظم یعنی بڑا گروہ ہونا ہے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، "بڑے گروہ کی پیروی کرو کیونکہ جو اس سے الگ رہا وہ الگ ہی آگ میں جائے گا"۔ (ابن ماجہ، مشکوٰۃ) دوسری جگہ ارشاد ہوا، "بہتر (۷۲) فرقے جہنمی اور ایک جنتی ہے اور وہ بڑا گروہ ہے"۔ (مشکوٰۃ بحوالہ احمد، ابوداؤد)

مختارِ کُل ختم الرسل ﷺ کا ارشاد ہے، "شیطان انسان کے لیے بھیڑیا ہے جیسے بھیڑیا الگ اور دور اور کنارے والی بکری کا شکار کرتا ہے (ایسے ہی شیطان انسان کا شکار کرتا

ہے)، لہٰذا تم گھاٹیوں سے بچو اور (اہلسنت کی) جماعت اور عام مسلمانوں کے ساتھ رہو"۔ (مسند احمد)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جنتی گروہ مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت ہے اور جو اس بڑی جماعت سے الگ رہا وہ شیطان کا شکار ہو کر جہنم کا ایندھن بن جائے گا۔

علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی شافعی (م ۱۳۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ ایک قبیلہ کا رئیس شیخ نجدی سے ملنے آیا اور کہنے لگا، اگر تمہارا قابلِ اعتماد خادم تمہیں یہ خبر دے کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک بڑا لشکر تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اور تم ایک ہزار آدمیوں کو اس بات کی تصدیق کے لیے روانہ کرو اور وہ تمہیں تحقیق کر کے یہ بتائیں کہ وہاں کوئی لشکر نہیں ہے تو تم اس ایک آدمی کی تصدیق کرو گے یا ان ہزار آدمیوں کی؟ شیخ نجدی نے کہا، میں ان ہزار آدمیوں کی تصدیق کروں گا۔ اس رئیس نے کہا، اسی طرح تمام مسلمان عوام اور علماء، زندہ اور فوت شدہ اپنی کتابوں میں تمہاری دعوت، تمہاری تحریک اور تمہارے عقائد کی تردید کرتے رہے ہیں پس ہم ان تمام کی تصدیق کریں یا صرف ایک تمہاری؟ شیخ نجدی کوئی جواب نہ دے سکا۔

ایک اور شخص نے سوال کیا، جس دین کو تم لے کر آئے ہو یہ پہلے اسلام سے متصل ہے یا منفصل؟ شیخ نجدی نے جواب دیا، چھے سو (۶۰۰) سال تک یہ ساری امت کافر و مشرک تھی۔ اس نے کہا، پھر تو تمہارا دین منفصل ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم نے دین کس سے حاصل کیا؟ نجدی بولا، وحی الہام سے، جیسے حضرت خضر پر وحی الہام ہوتی تھی۔ اس شخص نے جواب دیا، اگر وحی الہام کا دروازہ کھلا ہوا ہے تو پھر تمہاری کیا خصوصیت ہے؟ ہر شخص ایک نیا دین لے کر اٹھ سکتا ہے اور وہ بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ اسے یہ دین وحی الہام سے حاصل ہوا ہے۔ اس پر شیخ نجدی لاجواب ہو گیا۔ (خلاصۃ الکلام صفحہ ۲۳۳)

اہلسنت کے سوادِ اعظم یعنی بڑا گروہ ہونے کے متعلق نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد لکھتے ہیں، "ہند میں اکثر حنفی، بعض شیعہ اور کمتر اہلحدیث ہیں"۔ (ترجمانِ وہابیہ ص ۵۷) ایک اور غیر مقلد مولوی احسان الٰہی ظہیر نے اس حقیقت کا اعتراف یوں کیا ہے، "ابتدا میں میرا گمان تھا کہ یہ فرقہ (اہلسنت بریلوی) پاک و ہند سے باہر موجود نہیں ہو گا مگر یہ گمان زیادہ دیر قائم نہیں رہا، میں نے یہی عقائد مشرق کے آخری حصے سے مغرب کے آخری حصے تک اور افریقہ سے ایشیا تک اسلامی ممالک میں دیکھے"۔ (البریلویہ ص ۹۰)

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

یہ بات پہلے بیان ہو چکی کہ تمام اولیاء کرام اہلسنت و جماعت ہی میں گزرے ہیں نیز یہی وہ جماعت ہے جسے ہر دور میں سوادِ اعظم ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ اولیاء کرام سے مدد مانگنے کے منکرین تو شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے دور میں پیدا ہوئے جیسا کہ پہلے ایک سوال کے جواب میں مذکور ہوا۔ آقا و مولیٰ ﷺ کا ارشاد ہے، "بیشک میری امت گمراہی پر ہرگز جمع نہ ہوگی، پس جب تم اختلاف دیکھو تو تم پر بڑی جماعت کی پیروی لازم ہے"۔ (مستدرک للحاکم، البدایہ والنہایہ)

سرورِ کائنات فخرِ موجودات ﷺ کا فرمانِ عالیشان ہے، "قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ ہو گا جو مجھ پر زیادہ درود پڑھے گا"۔ (ترمذی) ایک اور حدیث شریف میں ہے، "جس کو درود پڑھنا یاد نہ رہا اس نے جنت کا راستہ بھلا دیا"۔ (طبرانی)

ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں جلیل القدر محدث امام شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی رحمہ اللہ (م ۹۰۲ھ) نے نویں صدی ہجری میں اہلسنت و جماعت کی ایک اہم نشانی بیان کی۔ آپ فرماتے ہیں، "اہلسنت کی علامت یہ ہے کہ وہ کثرت سے رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھتے ہیں"۔ (القول البدیع ص ۵۲، مطبوعہ مدینہ منورہ)

اب ایک طرف وہ خوش نصیب ہیں جو بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں درود و سلام کی کثرت کو ایمان کی جان سمجھتے ہیں، خلوت میں، جلوت میں، تقریروں میں، دعاؤں میں، جلسوں میں، محفلوں میں، ہلکی آواز میں، بلند آواز میں، اذان کے ساتھ بھی، جمعہ کے بعد بھی الغرض ہر طرح سے درود و سلام کو اپنے اعمالِ صالحہ کی زینت بنائے ہوئے ہیں اور دوسری طرف وہ ہیں جو فتویٰ دیتے ہیں کہ درود و سلام پڑھنا اذان سے پہلے بھی بدعت و حرام ہے، نمازِ جمعہ کے بعد بھی بدعت و حرام ہے، بلند آواز سے پڑھنا بھی بدعت و حرام ہے، یہ درود و سلام شرک ہے اور یہ بدعت ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہانتک کہ درود و سلام رکوانے کی ناپاک کوشش میں مساجد میں لڑائی جھگڑے برپا کر دیتے ہیں اور اس ناپاک حرکت کو عین توحید گردانتے ہیں۔ انصاف سے کہیے کیا ایسے لوگ اہلِ سنت ہو سکتے ہیں؟ واللہ ہرگز نہیں۔ درود و سلام کو شرک و بدعت سمجھنے اور رکوانے کی شرانگیز بدعتِ سیئہ کا بانی امام الوہابیہ شیخ نجدی ہے۔ علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں،

"ابن عبدالوہاب درود پڑھنے سے منع کرتا تھا اور سن کر ناراض ہوتا تھا۔ جو درود پڑھتا یہ اُسے سخت سزا دیتا، یہانتک کہ ایک نابینا صالح شخص جو خوش الحان مؤذن تھا، اسکو بعد اذان مینارے پر درود پڑھنے سے منع کیا۔ وہ نہ مانا اور اس نے درود پڑھا تو اسکو قتل کر دیا۔ شیخ نجدی کہتا تھا کہ زانیہ کے گھر آلاتِ موسیقی کا گناہ مینارے پر درود پڑھنے سے کم ہے (معاذ اللہ) نیز اس نے دلائل الخیرات اور درود و سلام کی دوسری کتابوں کو جلا دیا"۔ (الدرر السنیہ ص ۵)

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعداء تیرے
نہ مٹا ہے، نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

امام المحدثین شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں، "دینِ اسلام میں سوادِ اعظم سے مراد اہلسنت و جماعت ہے"۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد اول)

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں، "اہلسنت و جماعت کے مطابق اپنے عقائد کو رکھنا ضروری ہے کیونکہ قیامت کے دن اسی گروہ کو

☆تقلید کیوں ضروری ہے؟☆

سوال: تقلید کے کیا معنی ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کس کی تقلید کرتے تھے؟ یہ بھی ارشاد فرمایئے کہ تقلید کیوں ضروری ہے؟

جواب: تقلید کے لغوی معنی ہیں ''گردن میں پٹا ڈالنا'' اور اصطلاحی معنی ہیں ''دلیل جانے بغیر کسی کے قول و فعل کو صحیح سمجھتے ہوئے اسکی پیروی کرنا''۔ انسان زندگی کے ہر شعبے میں کسی نہ کسی کی پیروی کرتا ہے۔ پرائمری تعلیم کے حصول سے لے کر کسی بھی پیشہ یا ہنر کے درجہ کمال کو پہنچنے تک ہر کوئی اپنے اساتذہ یا اس ہنر کے ماہرین کی تقلید کرنے پر مجبور ہے۔ علمِ دین کا معاملہ تو اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ ہر شخص یہ اہلیت نہیں رکھتا کہ وہ قرآن وحدیث سے خود مسائل اخذ کرے کیونکہ اسکے لیے صرف عربی جاننا کافی نہیں بلکہ فقیہ و مجتہد کی شرائط کا جامع ہونا ضروری ہے۔

کسی فقیہ کے قول پر شرعی دلیل کے تحت عمل کرنا تقلیدِ شرعی ہے۔ جس کا فرض ہونا اس آیت کریمہ سے ثابت ہے۔

ارشاد ہوا، ''اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں''۔ (التوبۃ:۱۲۲، کنزالایمان)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص پر عالم و فقیہ بننا ضروری نہیں لہٰذا غیر مجتہد یا غیر عالم کو مجتہد یا عالم کی تقلید کرنی چاہیے۔

دوسری جگہ فرمایا، ''اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور انکی جو تم میں سے حکم والے ہوں''۔ (النساء:۵۹)

دارمی باب الاقتدا بالعلماء میں ہے، ''اولی الامر سے مراد علماء اور فقہاء ہیں''۔ امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''اولی الامر'' سے مسلمان حاکم یا فقہاء یا دونوں مراد ہیں۔ (احکام القرآن ج۲ص۲۵۶)

امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اس سے مراد علماء لینا اولیٰ ہے۔

(تفسیر کبیر ج۳ص۳۳۴)

ثابت ہوا کہ اس آیت میں ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا نیز ان علماء و فقہاء کی اطاعت کا بھی حکم دیا گیا جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کے کلام کے شارح ہیں، اسی اطاعت کا نام تقلید ہے۔

صحابہ کرام براہِ راست نبی کریم ﷺ سے دین کا علم حاصل کیا کرتے تھے اسلیے انہیں کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں تھی۔ آقا و مولیٰ ﷺ کے ظاہری وصال کے بعد صحابہ کرام اور تابعین بھی اپنے درمیان موجود زیادہ صاحبِ علم صحابی کی تقلید کیا کرتے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرماتے تھے، ''جب تک یہ عالم تمہارے درمیان موجود ہیں، مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو''۔ (بخاری) یہی تقلیدِ شخصی ہے جو دورِ صحابہ میں بھی موجود تھی۔

بخاری شریف میں حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہلِ مدینہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید کو ترجیح دی۔ اسی کا نام شخصی تقلید ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''صحابہ کرام شہروں میں پھیل گئے اور ان میں سے ہر ایک وہاں کا پیشوا بن گیا۔ مسائل پیش آنے پر لوگوں نے فتوے پوچھنا شروع کیے تو ہر صحابی نے اپنے حافظے یا استنباط سے جواب دیا یا پھر اپنی رائے سے اجتہاد کیا''۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

آقا و مولیٰ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنایا تو دریافت فرمایا، اگر تمھیں کوئی مسئلہ قرآن وسنت میں نہ ملے تو کیسے فیصلہ کرو گے؟ عرض کی، میں اجتہاد کروں گا۔ ارشاد فرمایا، ''اللہ کا شکر ہے جس نے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ تعالیٰ کا رسول راضی ہے''۔ (ترمذی جلد اول)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جو قرآن وسنت میں نہ ملے اور نہ ہی اس بارے میں صالحین کا کوئی فیصلہ ہو تو پھر اجتہاد کیا جائے''۔ (نسائی جلد دوم)

ان احادیث مبارکہ سے قیاس و اجتہاد کا واضح ثبوت ملتا ہے نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دورِ صحابہ میں فقیہ صحابہ اجتہاد کیا کرتے تھے اور دوسرے لوگ ان کی تقلید بھی کرتے تھے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رقمطراز ہیں، ''صحابہ کرام سے مذاہب اربعہ کے ظہور تک لوگ بغیر انکار کیے کسی نہ کسی عالم کی ہمیشہ تقلید کرتے رہے، اگر یہ باطل ہوتا تو علماء ضرور انہیں منع کرتے''۔ مزید فرمایا، ''جاننا چاہیے کہ چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید میں بڑی مصلحت ہے اور ان سے روگردانی میں بہت بڑا خسارہ ہے''۔ (عقد الجید)

ارشادِ باری تعالیٰ ہوا، ''اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو''۔ (الانبیاء:۷)

صدرالافاضل فرماتے ہیں، ''کیونکہ ناواقف کو اس سے چارہ ہی نہیں کہ واقف سے دریافت کرے اور مرضِ جہل کا علاج یہی ہے کہ عالم سے سوال کرے اور اسکے حکم پر عامل

ہو۔اس آیت سے تقلید کا وجوب ثابت ہوتا ہے"۔(خزائن العرفان)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

سرکار دو عالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا، بیشک ایک شخص نماز پڑھے گا، روزے رکھے گا، حج اور جہاد بھی کرے گا لیکن وہ منافق ہوگا۔صحابہ کرام نے عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! وہ کس وجہ سے منافق ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا،"وہ اپنے امام پر طعنہ زنی کی وجہ سے منافق ہوگا۔عرض کی، امام کون ہے؟ فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، فاسئلوا اھل الذکر......الخ۔(تفسیر دُرِ منثور)

اس حدیث مبارکہ سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے جو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ و دیگر ائمہ دین پر طعنہ زنی کرتے ہیں اور خود نفسِ امارہ اور شیطان ملعون کے مقلد بنے ہوئے ہیں۔

رب تعالیٰ کا ارشاد ہے،"بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرالیا، اور اللہ نے اسے باوصف علم کے گمراہ کیا، اور اسکے کان اور دل پر مہر لگادی اور اسکی آنکھوں پر پردہ ڈالا، تو اللہ کے بعد اسے کون راہ دکھائے، تو کیا تم دھیان نہیں کرتے"۔(الجاثیۃ:۲۳)

تفسیر صاوی میں سورۃ الکھف کی آیت ۲۴ کے تحت مرقوم ہے کہ"ان چاروں مذاہب کے علاوہ کسی اور کی تقلید جائز نہیں اگرچہ وہ بظاہر صحابہ کرام کے قول اور حدیثِ صحیح اور کسی آیت کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔جو ان چاروں مذاہب سے خارج ہے وہ خود گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے، بسااوقات یہ کفر تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ قرآن و حدیث کے ظاہری معنی مراد لینا اور انکی حقیقت کو نہ سمجھنا کفر کی جڑ ہے"۔

تفسیر احمدی میں ہے،"اس پر اجماع ہے کہ ان چار مذاہب کے سوا کسی اور کی اتباع جائز نہیں"۔اسی لیے تمام اکابر محدثین بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، نسائی، دارمی، طحاوی وغیرہ رحمھم اللہ کسی نہ کسی امام کے مقلد ہیں۔امام بخاری، امام ابوداؤد اور امام نسائی کا مقلد ہونا تو خود غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن بھوپالی نے"الحطہ"میں بیان کیا ہے۔

جب ایسے جلیل القدر محدثین، ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد ہیں تو پھر چند کتابیں پڑھے ہوئے اگر خود کو تقلید سے بے نیاز سمجھیں تو کیا یہ گمراہی نہیں ہے؟

غیر مقلدوں کے پیشوا مولوی محمد حسین بٹالوی نے"اشاعت السنۃ"میں اس حقیقت کا اعتراف یوں کیا،"پچیس برس کے تجربے سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق کی تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر کو اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں"۔

یہ بات آپ کے لیے دلچسپی کا باعث ہوگی کہ جو شخص بھی امامِ اعظم کی تقلید نہیں کرتا وہ بہر حال کسی نہ کسی"مولوی صاحب"کی تقلید ضرور کرتا ہے تو کیا یہ بہتر نہیں کہ موجودہ پُر فتن دور کے کسی مفاد پرست مولوی صاحب کی تقلید کرنے کی بجائے اُس جلیل القدر امام اعظم کی تقلید کی جائے جس نے صحابہ کرام علیھم الرضوان کے مبارک زمانہ میں آنکھ کھولی اور ان کی زیارت کی، اور جس کی عظمت پر اکابر ائمہ دین و محدثین کرام متفق ہیں۔

غیر مقلد عالم مولوی وحید الزماں صاحب نے اپنے ہم مسلک لوگوں سے یہی تلخ سوال کیا تھا جسکا جواب اب تک انکے ذمہ ہے،"ہمارے اہلحدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ اور مولوی اسماعیل کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے۔بھائیو! ذرا غور کرو اور انصاف کرو، جب تم نے ابوحنیفہ، شافعی کی تقلید چھوڑ دی تو ابن تیمیہ یا ابن قیم اور شوکانی، جو ان سے بہت متاخر ہیں، انکی تقلید کی کیا ضرورت؟"۔(حیات وحید الزماں ص ۱۰۲)

صدرُ الشریعہ علامہ مولانا امجد علی اعظمی قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،"تمام مسلمانوں سے الگ غیر مقلدوں نے ایک راہ نکالی کہ تقلید کو حرام و بدعت کہتے اور ائمہ دین کو سب وشتم سے یاد کرتے ہیں مگر حقیقت میں تقلید سے خالی نہیں۔ائمہ دین کی تقلید تو نہیں کرتے مگر شیطان لعین کے ضرور مقلد ہیں۔یہ لوگ قیاس کے منکر ہیں اور قیاس کا مطلقاً انکار کفر ہے۔یہ تقلید کے منکر ہیں اور تقلید کا مطلقاً انکار کفر ہے۔مطلق تقلید فرض ہے اور تقلیدِ شخصی واجب ہے"۔

(بہارِ شریعت حصہ اول صفحہ ۵۱)

☆فقہ حنفی دراصل حدیث ہے☆

سوال: کیا چاروں مذاہب اہلسنت ہیں؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ"تم حدیث چھوڑ کر فقہ کی پیروی کرتے ہو جبکہ ہم حدیث کی پیروی کرتے ہیں لہٰذا اماموں کی فقہ چھوڑ کر حدیث کو راہنما بناؤ"۔اس بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: حنفی مذہب، مالکی مذہب، شافعی مذہب اور حنبلی مذہب چاروں حق ہیں اور چاروں اہلسنت و جماعت ہیں۔ان کے عقائد یکساں ہیں البتہ صرف اعمال میں فروعی اختلاف ہے۔ان چاروں میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے۔یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مجتہد سے اگر اجتہاد میں خطا ہو جائے پھر بھی وہ گناہگار نہیں بلکہ اس اجتہاد میں اسکی تقلید بھی صحیح ہوگی۔حدیث شریف میں ارشاد ہوا،

"جب حاکم اجتہاد کرے اور صحیح کرے تو اسکو دو ثواب ہیں اور اگر اجتہاد میں خطا کرے تو اسکو ایک ثواب ہے"۔(بخاری، مسلم)

اب پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ "حدیث" کسے کہتے ہیں؟ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ شرح مشکوٰۃ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں،

"جمہور محدثین کے نزدیک نبی کریم ﷺ کا قول حدیثِ قولی ہے، آپ ﷺ کا فعل حدیثِ فعلی ہے اوراسی طرح جو کام آپ ﷺ کے سامنے کسی نے کیا اور آپ نے اس سے نہ روکا اور سکوت فرمایا، وہ حدیثِ تقریری ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال، افعال اور انکا کسی کام سے نہ روکنا بھی احادیث ہیں"۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ تابعی کا قول حدیثِ قولی ہے، اسکا فعل حدیثِ فعلی ہے اور اسکا کسی کے قول یا فعل پر سکوت فرمانا حدیثِ تقریری ہے، تو امامِ اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول، فعل اور سکوت بھی حدیث قرار پایا کیونکہ آپ تابعی ہیں۔ آپ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، تقریباً بیس صحابہ کرام کا زمانہ پایا اور ان سے ملاقات کی۔ یہ بات صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ نے سات صحابہ کرام سے بلاواسطہ احادیث سنی ہیں۔ (مقدمہ در مختار)

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہ حنفی درحقیقت حدیث ہی ہے۔ لہٰذا لوگوں کا یہ کہنا کہ "تم حدیث چھوڑ کر فقہ کی پیروی کرتے ہو" بالکل غلط ہے۔ دراصل نبی کریم ﷺ سے شریعت اخذ کرنے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کے دو طریقے ہیں۔

اول: ظاہری طریقہ یعنی اسناد کے ساتھ حدیث بیان کرنا (متواتر ہو یا غیر متواتر)،

دوم: حضور ﷺ کے اقوال وافعال وتقریر سے جو مسئلہ سمجھا، اُسے آقا و مولیٰ ﷺ کی طرف انتساب کیے بغیر بیان کرنا۔

اول الذکر طریقے سے احادیث بیان کرنے میں صحابہ کرام بیحد احتیاط کرتے بلکہ دوسروں کو بھی منع فرماتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کثرتِ روایت سے منع فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، "سوائے ان احادیث کے جن پر عمل کیا جاتا ہے دیگر احادیث کی روایت کم کردو"۔ (فقہ الفقیہ ص ۳۲ بحوالہ مصنف عبدالرزاق)

سیدنا امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اس قانون پر عمل کیا اور حدیث کی پہلی قسم کی روایت میں کثرت نہ کی۔ (ایضاً ص ۳۴ بحوالہ ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کے مفتی و مدرس مقرر ہوئے، فتوے دیا کرتے تھے مگر جب حدیث مسند متصل بیان کرتے تو پیشانی پسینہ پسینہ ہوجاتی، کانپنے لگتے اور فرماتے، انشاء اللہ کذا لک یا ھکذا ونحوہ۔ شاگردوں کا بیان ہے کہ ہم لوگ سال سال بھر تک انکے پاس روزانہ درس میں حاضر ہوتے تھے مگر کسی دن بھی قال رسول اللہ ﷺ نہ سنتے۔ انکے بدن پر لرزہ طاری ہوجاتا۔ (ایضاً ص ۳۴ بحوالہ طبقات ابن سعد)

جن صحابہ کرام نے احادیث کو فتاوٰی کی صورت میں بیان کیا ان میں حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم زیادہ نمایاں ہیں۔

حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں سیدنا عبداللہ بن مسعود و سیدنا علی رضی اللہ عنہما سے اور پھر ان سے حضرت حماد رضی اللہ عنہ نے حصول علم کیا۔ پھر ان کے فتاوٰی کی روشنی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فقہ حنفی کی بنیاد رکھی جو دراصل مذکورہ جید صحابہ وتابعین کرام کی فقہ یا بالفاظِ دیگر محمدی فقہ ہے۔

امام اعظم کے اجتہاد کے متعلق حافظ ابن حجر مکی شافعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں، "امام ابوحنیفہ سب سے پہلے قرآن کریم میں حکم تلاش کرتے، اگر نہ ملتا تو سنتِ رسول ﷺ دیکھتے۔ اگر دونوں میں حکم نہ پاتے تو صحابہ کے اقوال سے راہنمائی لیتے۔ اگر ان اقوال میں اختلاف ہوتا تو اس قول کو لیتے جو قرآن وسنت سے زیادہ قریب ہوتا۔ اگر کسی صحابی کا قول بھی نہ ملتا تو تابعین کی طرح خود اجتہاد کرتے"۔ (الخیرات الحسان ص ۲۶)

محدث علی قاری رحمہ اللہ نے آپ کے ہمعصر جلیل القدر محدث امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کا اس بارے میں یہ قول نقل کیا ہے، "یوں نہ کہو کہ یہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے بلکہ یوں کہو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے"۔ (ذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۶۰)

علمِ حدیث میں امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی احتیاط کے متعلق امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۷ھ) یوں گواہی دیتے ہیں کہ "میں نے حدیث میں جیسی احتیاط امام ابوحنیفہ کے یہاں دیکھی وہ کسی دوسرے میں نہ پائی"۔ (مناقب الامام الاعظم ج ۱ ص ۱۹۷)

امام اعظم علم وفضل کے بلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود اپنی رائے کو حرفِ آخر قرار نہیں دیتے تھے۔ دین میں احتیاط کے پیشِ نظر ہر مسئلہ چالیس جید فقہاء پر مشتمل مجلس میں پیش ہوتا۔

بقول امام موفق بن احمد مکی رحمہ اللہ، "دلائل سنے اور سنائے جاتے، بعض اوقات مہینہ یا زیادہ عرصہ بحث جاری رہتی۔ جب مسئلے پر اتفاق ہوجاتا تو امام ابویوسف اسے اصول میں لکھ لیتے، اس طرح تمام اصول مرتب ہوئے"۔ (مناقب موفق ج ۲ ص ۱۳۳)

محدث علی قاری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں، "انہوں نے تراسی (۸۳) ہزار مسائل طے فرمائے جن میں سے اڑتیس ہزار کا تعلق عبادات سے اور باقی مسائل کا تعلق معاملات سے ہے"۔ (ذیل الجواہر ج ۲ ص ۴۷۲)

جو امام اعظم سے بغض وعناد کے باعث فقہ حنفی سے چڑتے ہیں انکی ہدایت کے لیے ایک واقعہ پیشِ خدمت ہے۔ محدثِ کبیر، یزید بن ہارون رحمہ اللہ درس کے دوران امام اعظم کے ارشادات سنا رہے تھے کہ کسی نے کہا، ہمیں حدیثیں سنایئے اور لوگوں کی باتیں نہ کیجیے۔

آپ نے اس سے فرمایا، "تمہارا مقصد صرف حدیثیں سننا اور جمع کرنا ہے، اگر تمہیں علم حاصل کرنا ہوتا تو تم حدیث کی تفسیر اور معانی معلوم کرتے اور امام ابوحنیفہ کی کتابیں اور انکے اقوال دیکھتے جو تمہارے لیے حدیث کی تفسیر کرتے ہیں"۔ پھر آپ نے اس کو ڈانٹ کر مجلس سے نکال دیا۔ (مناقب موفق جلد دوم صفحہ ۴۸)

بعض نا سمجھ حاسدین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ "فقہ حنفی کی تائید میں جو احادیث پیش کی جاتی ہیں وہ ضعیف ہیں"۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض علمِ حدیث سے جہالت پر مبنی ہے۔ صحابہ کرام کے زمانے میں کوئی حدیث بھی ضعیف، معلل یا شاذ وغیرہ نہیں تھی بلکہ سب صحیح کے درجے میں تھیں کیونکہ حدیث کا ضعیف ہونا راوی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ امام اعظم تابعی ہیں اس لیے آپ کو ایک دو واسطوں سے یہ احادیث ملیں۔

"راوی کی وجہ سے ان احادیث کو ضعیف کہنا درست نہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ بعد والوں کے پاس یہ احادیث کئی واسطوں سے پہنچی ہیں جبکہ امام اعظم کے پاس وہ احادیث براہِ راست کسی صحابی سے پہنچی ہیں یا کسی ایک تابعی کے واسطے سے۔ اور امامِ اعظم کا یہ بھی ارشاد ہے، "جو حدیث صحیح ہے وہی میرا مذہب ہے"۔ تو پھر امام اعظم کے زمانہ میں ان احادیث کو ضعیف کیسے کہا جا سکتا ہے"۔ (مقدمہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۸۰)

امام اعظم کی فضیلت میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ میں نے آقا و مولیٰ ﷺ کا خواب میں دیدار کیا تو بارگاہِ رسالت میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ ارشاد فرمایا، "ابوحنیفہ کے علم میں"۔

امام اعظم کی عظمت کی گواہی، جرح وتعدیل کے نامور امام محدث یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کی زبانی سنیے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "جلیل القدر عالم چار ہیں۔ سفیان ثوری، ابوحنیفہ، مالک اور اوزاعی"۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۱۶) امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بہت پیاری بات کہی، فرمایا "تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کی اولاد ہیں"۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۶)

یَا اَرۡحَمَ الرّٰاحِمِیۡنَ ،یَا ذَاالۡجَلَالِ وَالۡاِکۡرَام

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ حُبَّکَ وَ حُبَّ مَنۡ یُّحِبُّکَ وَ الۡعَمَلَ الَّذِیۡ یُبَلِّغُنِیۡ حُبَّکَ

"اے اللہ! میں تجھ سے تیری محبت اور تیرے محبوب بندوں کی محبت مانگتا ہوں اور ایسے عمل کی محبت مانگتا ہوں جو مجھے تیری محبت تک پہنچا دے"۔ (ترمذی)

آمِیۡن بِجَاہِ النَّبِیِّ الۡکَرِیۡم عَلَیۡهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَفۡضَلُ الصَّلٰوۃِ وَالتَّسۡلِیۡم

☆☆☆☆

ہے کہ بعد والوں کے پاس یہ احادیث کئی واسطوں سے پہنچی ہیں جبکہ امام اعظم کے پاس وہ احادیث براہِ راست کسی صحابی سے پہنچی ہیں یا کسی ایک تابعی کے واسطے سے۔ اور امامِ اعظم کا یہ بھی ارشاد ہے، "جو حدیث صحیح ہے وہی میرا مذہب ہے"۔ تو پھر امام اعظم کے زمانہ میں ان احادیث کو ضعیف کیسے کہا جا سکتا ہے"۔ (مقدمہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۸۰)

امام اعظم کی فضیلت میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف، کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معاذ رازی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ میں نے آقا و مولیٰ ﷺ کا خواب میں دیدار کیا تو بارگاہِ رسالت میں عرض کی، یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ ارشاد فرمایا، "ابوحنیفہ کے علم میں"۔

امام اعظم کی عظمت کی گواہی، جرح وتعدیل کے نامور امام محدث یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کی زبانی سنیے۔ آپ فرماتے ہیں کہ "جلیل القدر عالم چار ہیں۔ سفیان ثوری، ابوحنیفہ، مالک اور اوزاعی"۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۱۶) امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بہت پیاری بات کہی، فرمایا "تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کی اولاد ہیں"۔ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۴۶)

☆☆☆☆☆